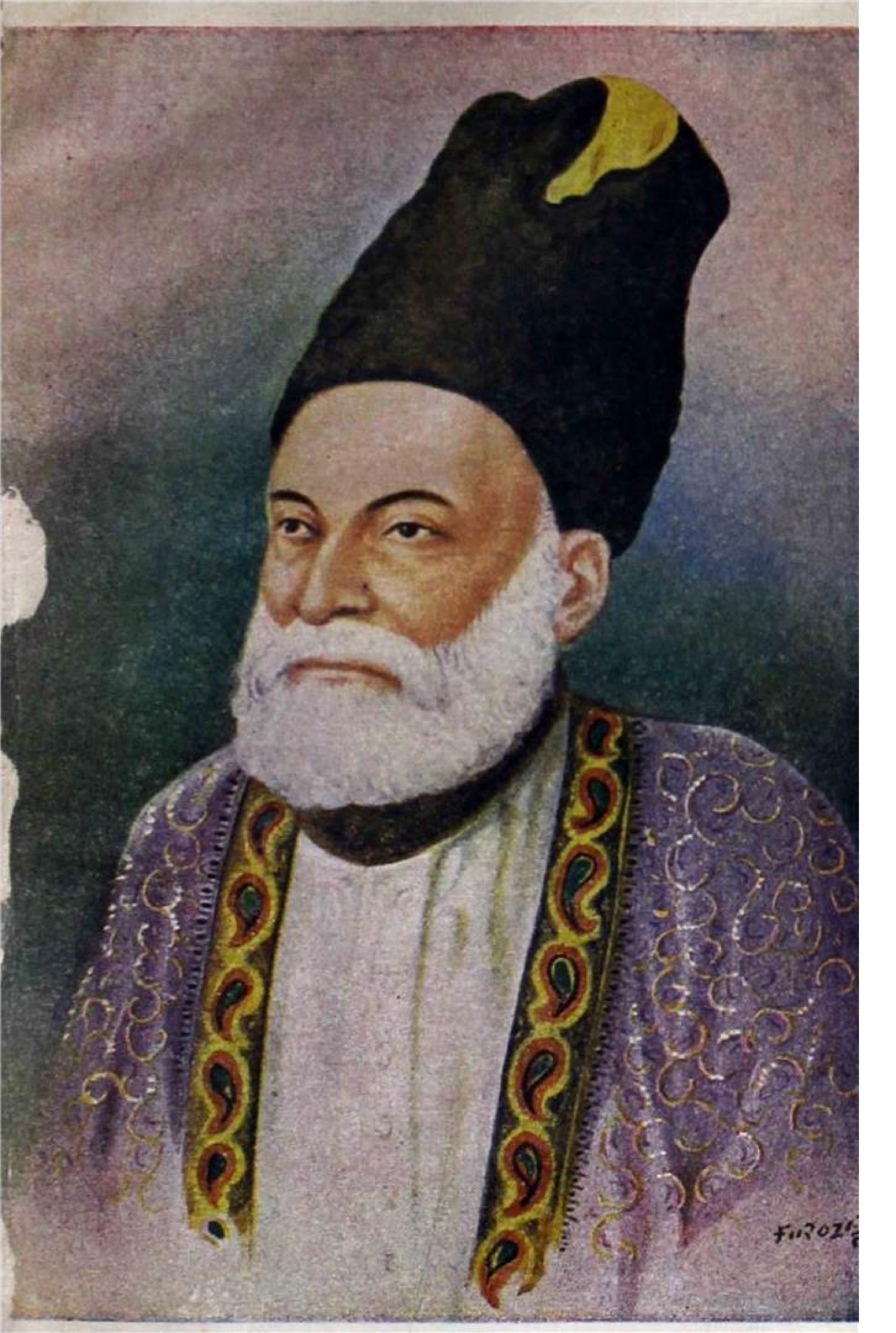
غالب کی زندگی

امیر حسن نورانی



آزاد کتاب گھر کلاں محل دہلی



غالبؔ کی زندگی

مرتبہ

امیر حسن نورانی

ناشر

آزاد کتاب گھر، کلاں محل دہلی ۶

بار اوّل: مئی ۱۹۶۹ء

تعداد: ایک ہزار

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

پرنٹر: یونین پرنٹنگ پریس دہلی

ناشر

آزاد کتاب گھر، کلاں محل دہلی ۶

"منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی"

پڑھے لکھے لوگوں کا کیا ذکر، اب تو ان پڑھ بھی غالبؔ کے نام سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ ان کے اشعار گلی کوچوں میں گنگناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مطلب سے ناآشنا سہی، الفاظ سے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق لطف اُٹھاتے ہیں۔ ہندوستان کو چھوڑئیے اب تو ریڈیو کی بدولت غالبؔ کا کلام دنیا کے گوشہ گوشہ میں سُنا جاتا ہے۔ ہر روز کسی نہ کسی ریڈیو اسٹیشن سے کلامِ غالبؔ ضرور نشر ہوتا ہے۔ ان کے اشعار میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر پڑھنے اور سُننے والا اسے اپنے دِل کی بات سمجھتا ہے۔

غالبؔ صرف بہت اچھے شاعر ہی نہیں تھے، وہ نثر نگاری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ دونوں خوبیاں ایک شخص کے اندر کم ہوتی ہیں۔ غالبؔ کی نثر ہمارے سامنے خطوط کی صورت میں آئی۔ جس میں اُنہوں نے لکھنے کا ایک نیا ڈھنگ نکالا، عبارت سادہ، دلچسپ، رواں اور شگفتہ ہوتی ہے، اُردو زبان میں صفائی اور روانی غالبؔ نے پیدا کی۔ لکھنے کا بالکل نرالا ڈھنگ نکالا۔ اسی لئے وہ "نئی اُردو نثر" کے بانی کہلاتے ہیں۔

اُردو کی طرح غالبؔ فارسی زبان کے بھی ایک اچھے شاعر اور نثر نگار تھے فارسی میں ان کی تحریروں کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے۔

غالب ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے، دس گیارہ سال کی عمر سے شاعری شروع کی ۱۸۶۹ء میں وفات پائی ۔ اس وقت ان کی عمر بہتّر برس تھی، گویا ساٹھ سال اُردو فارسی زبان و ادب کی خدمت میں صرف کیئے ۔ ان کو اپنی زندگی میں خاصی شہرت حاصل ہوئی، لیکن خود ان کو یہ شکایت رہی کہ جتنی قدر کے وہ مستحق تھے اتنی نہ ہوئی، اس کا شکوہ اُنہوں نے خطوط اور اشعار دونوں میں کیا ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ غالب کو اپنی شاعرانہ خوبیوں کا پورا اندازہ تھا اسی لئے اُنہوں نے بعض اشعار میں پیش گوئی کی ہے کہ ان کے کمالات کی قدر اس وقت ہوگی جب وہ اِس دنیا میں نہ ہوں گے ۔ فارسی میں ان کی ایک طویل غزل ہے جس میں بڑی تفصیل سے پیش گوئی کی ہے ۔ کہتے ہیں ؎

کوکبم را در عدم اوجِ قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن

یعنی قبول عام اور سربلندی میرے نصیب میں لکھی جا چکی ہے، اِسلئیے میرے اشعار کی قدر و قیمت میرے مرنے کے بعد ہوگی ۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ؎

میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

یعنی میں جس چمن میں نغمہ سرائی کروں گا وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کی ذہانت اور فراست نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا کلام آنے والے زمانے کے ذوق کی چیز ہے، علم و فن کی ترقی کے دور میں لوگ غالب کو پہچانیں گے اور ان کے کلام سے لطف اُٹھائیں گے ۔

غالب کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی اور توقع اور تمنا سے کہیں زیادہ شہرت و عزت حاصل ہوئی، اور ہندوستان کے علاوہ دُنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی ان کی شہرت پھیل گئی۔

غالب کے حالاتِ زندگی سے واقف ہونے کا شوق بڑھ رہا ہے۔ ان کے حالات پر چھوٹی بڑی متعدد اچھی کتابیں موجود ہیں، جن میں ان کی زندگی کے تقریباً ہر گوشہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن ایک ایسی مختصر کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو کم پڑھے لکھے لوگوں اور طالب علموں کے لئے آسان اور سادہ زبان میں ہو۔

میں نے یہ مختصر کتاب اس ضرورت کے پیش نظر مرتب کی ہے، اس بات کی کوشش کی ہے کہ طلباء اور عام لوگوں سے غالب کا تعارف کرانے میں کسی حد تک مفید ثابت ہو۔ اختصار کے باوجود آپ کو غالب کے متعلق ہر ضروری بات اِس میں نظر آئے گی اور پڑھنے والوں کو کسی سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے گی کہ غالب کون ہے؟

میں اپنے محترم کرم فرما قاضی معزالدین احمد صاحب کا مشکور ہوں کہ ان کی توجہِ خاص سے کم وقت میں اس کتاب کی اشاعت بحسن و خوبی عمل میں آئی۔

امیر حسن نورانی
شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی
یکم فروری ۱۹۶۹ء

انتساب

امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ

کے عزیز طلباء کے نام

امیر حسن نورانی

سابق اُستاد ادبیات امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ

(نومبر ۱۹۴۷ء تا ستمبر ۱۹۶۷ء)

نام، خاندان اور پیدائش

نام اسد اللہ بیگ خاں، عرف مرزا نوشہ، تخلص، اسد اور غالب، خطابات جو مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر[1] نے دیئے تھے یہ ہیں، نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ۔ غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو بُدھ کے دن آگرہ میں پیدا ہوئے تھے[2]

غالب کے والد کا نام عبداللہ بیگ خاں اور چچا کا نام نصر اللہ بیگ خان تھا۔ اِن دونوں کا خاندانی پیشہ سپہگری تھا۔

غالب کا خاندان ترکوں کے قبیلہ ایبک سے تعلق رکھتا تھا۔ خود

---

[1] یہ خطاب غالب کو بادشاہ کی طرف سے ۴ جولائی ۱۸۵۰ء میں ملا تھا۔ اسوقت خاندان شاہی کی تاریخ لکھنے کے لئے ان کا تقرر ہو چکا تھا، جس کا ایک حصہ مہر نیمروز (فارسی) کے نام سے مکمل کر لیا تھا۔

[2] اپنی تاریخ پیدائش اور سن کا ذکر مرزا غالب نے بہت سے اُردو فارسی خطوں میں خود کیا ہے۔

غالب اپنا سلسلۂ نسب تو را ابنِ فریدون سے مِلاتے تھے، فریدون ایران کا مشہور شہنشاہ گذرا ہے، ایک فارسی رُباعی میں اپنا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

غالب، بہ گہر ز دودۂ زادِ شمم ؎ زاں رو بہ صفائے دمِ تیغ است دَمُم
چوں رفت سپہدی زدم، جنگ بہ شعر ؎ شد تیرِ شکستۂ نیاگان قلمم

(ترجمہ) غالب، میں زاد شم کے خاندان سے ہوں۔

جب سپہگری کا فن میرے خاندان میں نہ رہا تو میں نے شعروشاعری کا مشغلہ اختیار کیا۔ (تو) میرے بزرگوں کا ٹوٹا ہوا نیزہ میرے ہاتھ میں آکر قلم بن گیا۔

ایک اُردو خط میں منشی حبیب اللہ خاں ذکا حیدر آبادی کو لکھا تھا،،

"میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی، صرف پچاس گھوڑے اور نقارہ و نشان، سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل، ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔"

اس طرح اور تفصیل سے بھی بعض خطوں میں غالب نے اپنے خاندان کے حالات خود لکھے ہیں۔ لیکن ان کے بیانات کی تصدیق اور ذرائع سے نہیں ہوتی، ہاں یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ غالب کسی بڑے اور معزز خاندان کے فرد تھے، اس کا اندازہ ان کے دادا اور باپ کے حالات

سے بھی ہوتا ہے۔ غالب کے بیان کے مطابق ان کے مورثِ اعلیٰ تور ابنِ فریدون تھے۔ جب تورانیوں پر کیانی خاندان کو غلبہ حاصل ہوا۔ تو تورانی وطن چھوڑ کر منتشر ہو گئے، اسلامی عہد میں اِس منتشر خاندان نے سلطنت سلجوقی قائم کی تھی۔ مگر جب اِس سلطنت پر بھی زوال آیا تو پھر اِس خاندان کے معزز لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، انہیں میں ایک شہزادہ ترسم خاں بھی تھا جس نے سمر قند میں سکونت اختیار کی، یہ غالب کا پردادا تھا۔ غالب کے دادا قوقان بیگ خاں اپنے باپ ترسم خاں سے کسی اختلاف کے باعث ناراض ہو کر عازم لاہور ہوئے، اور سرکاری ملازمت اختیار کرلی، تاکہ گذر بسر کا انتظام ہو جائے۔ یہ محمد شاہ کا عہدِ حکومت تھا۔ حالانکہ غالب نے شاہ عالم کے عہد میں قوقان خاں کا لاہور آنا ظاہر کیا ہے جو تاریخی ترتیب سے غلط ہے، غالب نے لکھا ہے کہ،،

اسد اللہ خاں غالبؔ تخلص، عرف میرزا نوشہ، قوم کا ترک سلجوق، سلطان برکیارق کے اولاد میں سے، اس کا دادا قوقان بیگ خاں، شاہ عالم کے عہد میں سمر قند سے دِلّی آیا۔ پچاس گھوڑے اور نقارے و نشان سے بادشاہ کا نوکر ہوا۔ پہاسو کا پرگنہ جو سمرو کی بیگم کو سرکار سے مِلا تھا وہ اس کی جائداد میں مقرر ہوا تھا۔[۵]

۵؎ غالب، از مہر، صفحہ ۱۲، بحوالہ رسالہ اُردو،

غالب کے والد

مرزا قوقان بیگ کے کئی بیٹے اور بیٹیاں تھیں، غالب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ

"آپ کو معلوم رہے کہ برسوں میرے گویا نو آدمی مرے، تین پھوپھیاں، تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی۔ اور ایک دادا۔ دادی یعنی اِس مرحومہ کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں اور اِس کے مرنے سے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایک بار مر گئے"[1]

غالب کے اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قوقان بیگ کی سات اولادیں تھیں، چار لڑکے اور تین لڑکیاں، اِن میں سے غالب کے والد عبداللہ بیگ خاں، اور چچا نصراللہ بیگ خاں نے خاص شہرت حاصل کی۔ اِسی لئے ان دونوں کے مختصر حالاتِ زندگی محفوظ رہ گئے، باقی بھائی بہنوں کے حالات کا صحیح پتہ نہیں چلتا۔ غالب کے والد اور چچا نے اپنا آبائی پیشہ سپہ گری اختیار کیا۔ غالب کے والد عبداللہ بیگ خاں دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ بیگ خاں پہلے لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے پاس ملازم ہوئے، پھر وہاں سے حیدرآباد چلے گئے، جہاں نظام علی خاں کے یہاں تین سو سواروں کے ساتھ ملازمت اختیار کی۔ جب یہ ملازمت کچھ عرصہ بعد ختم ہو گئی تو آگرہ چلے آئے۔ جہاں سکونت اختیار

---

[1] یادگارِ غالب صفحہ ۱۶۷۔ خط بنام نبی بخش حقیر۔

کرلی۔ ان کی شادی خواجہ غلام حسین خاں کمیدان کی لڑکی سے ہو چکی تھی۔ چند دنوں بعد الور کے راجہ بختاور سنگھ کے پاس ملازمت کے لئے گئے، مگر کامیابی نہ ہوئی، اتفاق سے جب واپس ہونے والے تھے اس زمانہ میں (۱۸۰۲ء) الور کے ایک زمیندار نے راجہ سے سرکشی اختیار کی، اس کی سرکوبی کے لئے جو فوج بھیجی گئی اس میں عبداللہ بیگ خاں بھی معہ اپنے دستے کے شامل کرلئے گئے، راج گڑھ کے مقام پر جنگ ہوئی، عبداللہ بیگ ایک گولی لگنے سے شہید ہوگئے، اس وقت مرزا غالب کی عمر صرف پانچ سال کی تھی، غالب کے علاوہ ان کی اولادوں میں سب سے بڑی ایک لڑکی تھی (چھوٹی خانم) اس کے بعد مرزا غالب اور ان کے ایک چھوٹے بھائی، مرزا یوسف،

غالبؔ کے چچا

باپ کے سایہ سے محروم ہونا غالبؔ اور ان کے بھائی بہنوں کیلئے ایک بڑی مصیبت تھی لیکن انکے چچا مرزا نصراللہ بیگ خاں کو اپنے بھائی کی اولادوں سے بے حد محبت تھی۔ کیونکہ خود ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے کفالت کا بار اپنے ذمہ لے لیا۔ اور غالب کی آزادی اور فارغ البالی میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ نصراللہ بیگ پہلے مرہٹوں کی طرف سے آگرہ کے صوبہ دار تھے، مگر جب انگریزوں کا اقتدار ہوا تو ان کو انگریزی فوج میں رسالداری کا منصب مل گیا۔ اور اخراجات کے لئے آگرہ کے اطراف میں دو پرگنے دیئے گئے۔ مگر جلد ہی ۱۸۰۶ء میں ۴ مارچ لغایت[1] ۴ مئی کے دوران کسی

[1] غالب از مہر۔ صفحہ ۱۸

دن اچانک انہوں نے وفات پائی۔ اس وقت مرزا غالب صرف ۹ سال کے تھے۔ اب وہ چچا کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔

انگریزوں نے فیروز پور جھرکہ کے جاگیردار نواب احمد بخش بہادر رستم جنگ (جن کی بہن نصر اللہ خاں کی بیوی تھیں) کی جاگیر کے ساتھ دس ہزار روپیہ سالانہ کی رقم غالب کے خاندان کے لئے مقرر کرا دی۔ مگر نواب صاحب کبھی تین ہزار سالانہ سے زیادہ نہ دیتے۔ اس میں غالب کا حصہ سات سو پچاس روپیہ سالانہ تھا۔ بعد میں غالب نے اس رقم کے لئے مقدمہ بازی بھی کی اور بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔

غالب کی ماں

غالب کی ماں کا نام عزت النساء بیگم تھا۔ وہ اچھی تعلیم یافتہ خاتون تھیں، جیسا کہ خود غالب نے کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ یقیناً انہوں نے غالب کی تعلیم و تربیت میں ضرور مدد کی ہو گی۔ وہ ایک معزز خاندان سے تھیں۔ ان کے والد خواجہ غلام حسین خاں کمیدان، حکومت کے ایک اچھے فوجی عہدہ پر فائز تھے۔ اور آگرہ کے رئیسوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ غالب اپنے چچا کے انتقال کے بعد نانا ہی کے مکان میں رہے۔

باپ اور چچا کے بعد

غالب پانچ سال کے ہوتے تو باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور ابھی نو سال کی عمر تھی کہ چچا کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔ ماں اور دوسرے اعزار موجود تھے۔ چچا کی وفات کے بعد ان کے خاندان کے لئے دس ہزار روپیہ

سالانہ بطور وظیفہ مقرر ہوئے، انہیں سے بھی نواب احمد بخش خاں نے صرف تین ہزار سالانہ ادا کئے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ غالب جب تک آگرہ میں رہے چچا کی جائداد سے فائدہ اُٹھاتے رہے، ان کی والدہ کا قیام مستقل طور پر آگرہ میں رہا۔ جب غالب دہلی میں رہنے لگے اس وقت بھی ان کو ماں کی طرف سے کچھ نہ کچھ مالی امداد مِل جاتی تھی۔

بچپن کا زمانہ

غالب کا بچپن بڑے ناز و نعم میں گزرا، باپ کے بعد چچا نے ان کو اسی طرح آرام و آسائش سے پالا، گھر میں امیرانہ ساز و سامان کی کمی نہ تھی۔ آمدنی بہت تھی، ہر طرح کی بے فکری نے غالب کے مزاج میں لاابالی پن پیدا کر دیا تھا، وہ کھیل کود کی طرف زیادہ مائل رہے، صحبت رئیس زادوں کی ملی جو عموماً علم و ادب کے بجائے لہو لعب کا زیادہ شوق رکھتے تھے۔ ان کی صحبت کا اثر غالب پر بھی پڑا، گھر میں سختی کے بجائے لاڈ و پیار ملتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ ابتدا سے ہی اخلاقی طور پر بے راہ روی اختیار کرتے، اور یہی ہوا بھی، زیادہ وقت شطرنج اور چوسر کھیلنے میں صرف ہوتا، کچھ وقت پتنگ اُڑاتے تھے، دوستوں کے ساتھ گھومتے پھرتے، بری صحبت کا اثر یہ ہوا کہ شراب نوشی کی لت بھی پڑنے لگی۔ جو بعد میں اتنی بڑھی کہ آخر عمر تک پیتے رہے۔ ابتدا میں اخلاقی تعلیم و تربیت کی طرف سے جو غفلت ہوئی۔ اس نے غالب میں بہت سے اخلاقی عیوب پیدا کئے۔ جو ایک اچھے انسان کے شایانِ شان نہیں سمجھے جاتے، آج غالب کی بڑائی اُردو، فارسی کے ایک شاعر

اور ادیب کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے، بحیثیت انسان اگر ان کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو خوبیاں کم نظر آئیں گی۔

تعلیم و تربیت

غالب نے کچھ ابتدائی تعلیم یقیناً گھر پر حاصل کی ہوگی جبکہ ان کی والدہ بھی پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ باقاعدہ تعلیم انہوں نے آگرہ کے مشہور استاد شیخ معظم سے حاصل کی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ غالب نے نظیر اکبرآبادی سے بھی پڑھا ہے۔ مگر اس کی تصدیق کسی مستند ذریعہ سے نہیں ہوتی ہے۔ نہ خود غالب نے کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔ غالب نے عربی زبان میں قواعد کی چند کتابیں پڑھی ہیں، ان کی توجہ فارسی کی طرف زیادہ رہی۔ اپنی تعلیم کے متعلق انہوں نے کئی خطوں میں ذکر کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ،،

میں نے ایام دبستان نشینی (مکتب کی تعلیم کا زمانہ) میں شرح مائتہ عامل تک پڑھا۔ بعد اس کے لہو و لعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور یا عیش و عشرت میں منہمک ہو گیا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا[1]

غالب نے اعلیٰ فارسی تعلیم اور بعض دیگر علوم کی تحصیل ملا عبدالصمد ایرانی سے کی۔ غالب کی خوش قسمتی تھی کہ ایران کے ایک رئیس زادے ہندوستان آئے جو فارسی علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ مذہباً زردشتی تھے،

---

[1] غالب کا خط، مطبوعہ رسالہ ہندوستانی الہ آباد، بابت جنوری ۱۹۲۴ء

اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اسلامی نام عبد الصمد رکھا تھا (پہلے ہرمزد نام تھا) یہ فاضل شخص ۱۸۱۰۔ ۱۸۱۱ء میں سیر و سیاحت کے لئے ہندوستان آئے اور اکبر آباد میں آنکلے۔ اس وقت غالب کی عمر چودہ سال تھی۔ مرزا نے ان کی قابلیت کا کچھ اندازہ لگا لیا اور دو برس تک ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ اور ان سے باقاعدہ فارسی ادبیات اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ عربی زبان میں بھی ان کو مہارت تھی۔ اپنے لائق اُستاد کے مل جانے سے غالب جیسے ہونہار شاگرد نے بڑی محنت اور توجہ سے استفادہ کیا۔ اور استاد نے بھی اپنے اس شاگرد کو جوہر قابل پاکر زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ اس طرح مرزا غالب فارسی ادبیات میں اہل زبان سے مقابلہ کرنے کا دم بھرنے لگے، اور وہ کسی ہندوستانی ادیب و شاعر کو خاطر میں اسی لئے نہیں لاتے تھے۔ عبد الصمد سے تحصیل علم کا ذکر غالب نے کئی جگہ کیا ہے، ایک اقتباس جو اعتراف کے طور پر ہے، پیشِ نظر ہے"

ناگاہ ایک شخص کہ ساسان پنجم کی نسل میں سے معہذا منطق و فلسفہ میں مولانا فضل حق مرحوم کا نظیر اور مومن، موحد، صوفی، صافی تھا، میرے شہر (آگرہ) میں وارد ہوا۔ اور لطائف فارسی بحت (خالص فارسی بے آمیزش عربی) اور غوامض فارسی آمیختہ بہ عربی اس سے مرے حال ہوئے" سونا کسوٹی پر چڑھ گیا۔ ذہن معوج (کند) نہ تھا زبانِ دری سے پیوند ازلی اور استاد بے مبالغہ جاماسپ عہد و بزرجمہر عصر تھا۔ حقیقت اس زبان کی

دل نشین و خاطر نشان ہوگئی[1]

ملا عبدالصمد سے غالب نے صرف دو سال تعلیم حاصل کی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استاد سے انھوں نے بڑی محنت اور توجہ سے جتنا زیادہ سیکھ سکتے تھے سیکھا۔ ملا عبدالصمد کو اپنے ہونہار شاگرد سے بڑی محبت تھی جس کا اظہار انہوں نے واپسی کے بعد بعض خطوط میں بھی کیا تھا۔

مختصر یہ کہ مرزا جو آگرہ کے قیام ہی میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو گئے تھے اب اپنے فطری شوق سے مطالعۂ کتب میں مشغول ہوئے، اور جب دلّی میں مستقل قیام ہوا تو اس عہد کے بڑے بڑے عالموں، فاضلوں اور شاعروں کی صحبتوں نے اُن کے علم کو چلا دی۔ آگرہ میں غالب کا قیام محلہ گلاب خانہ میں زیادہ رہا، یہ محلہ فارسی زبان کے ماہرین کی قیام گاہ تھا۔ اسی محلہ میں مولوی محمد معظم اور ان کے بھائی کا مکتب تھا۔ مولانا ولی محمد جنہوں نے مثنوی مولانا روم کی شرح لکھی تھی وہ بھی اسی جگہ رہتے تھے۔ ان کے نواسے میر اعظم علی اعظم بڑے بلند پایہ عالم تھے جنہوں نے نظامی کے سکندر نامہ کا اُردو ترجمہ کیا تھا اور خود ایک مثنوی اکبر اعظم لکھی تھی[2]۔ غرض پورے محلہ کا ماحول علمی تھا۔ اور غالب کا اس سے متاثر ہونا ضروری تھا۔

شادی خانہ آبادی

مرزا غالب کی شادی تیرہ سال کی عمر میں ۷، رجب ۱۲۲۵ ہجری کو نواب الٰہی بخش خاں معروف کی چھوٹی بیٹی اُمراؤ بیگم سے ہوئی، جو اس وقت گیارہ سال کی تھیں

[1] مکاتیب غالب۔ [2] ولی محمد کی شرح مثنوی اور اعظم کا ترجمہ سکندر نامہ نول کشور پریس، لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔

غالب نے اپنی شادی کے واقعہ کو ایک خط میں بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی (یعنی بیوی) میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلّی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا[1]"

بعد کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے تعلقات ان کی بیوی سے خوشگوار نہیں رہے، مرزا غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خاں بہادر بڑے معزز رئیس تھے، وہ نواب احمد بخش خاں رستم جنگ، والی فیروز پور جھرکہ اور رئیس لوہارو کے چھوٹے بھائی تھے۔ تمام عمر گوشہ نشینی میں بسر کی. بڑے عبادت گذار تھے، نواب احمد بخش بڑے ہونے کے باوجود ان کی عزت کرتے تھے، معروف شاعر بھی تھے اور شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم بھی بڑی دیندار بی بی تھیں، اور غالب سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ مگر ان کی شراب نوشی کے باعث اپنے کھانے کے برتن الگ کر لئے تھے۔ غالب کی بعض تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ازدواجی زندگی سے خوش نہ تھے لیکن انہیں کے اعمال واقوال سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپس میں مدتوں خوشگوار تعلقات رہے، ایک وقت کا کھانا عموماً گھر کے اندر کھاتے تھے۔ اور بیوی کی آرام وآسائش کا خیال رکھتے تھے۔

---

[1] اردوئے معلیٰ صفحہ ۲۹۵، خط بنام علاؤالدین احمد خاں۔

اولاد غالب کے یہاں سات بچّے پیدا ہوئے۔ لڑکے اور لڑکیاں دونوں مگر کوئی پندرہ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہا، غالب پر اولاد نہ ہونے کا اثر ضرور تھا اسی لئے انہوں نے اپنی بیوی کی بڑی بہن بنیادی بیگم (جو نواب غلام حسین خاں سے منسوب تھیں) کے دو بیٹوں میں سے ایک کو جس کا نام زین العابدین تھا، متبنّیٰ بنا لیا۔ یہ نہایت خوش گو شاعر ہوئے ہیں۔ عارفؔ تخلص تھا۔ پہلے شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے پھر غالبؔ کو اپنا کلام دکھانے لگے، اور انہیں کے طرز کی پیروی کرنے لگے۔ عارفؔ مشہور خوشنویس میر جلال الدین کے شاگرد تھے اور ایک ماہر خطاط ہو گئے تھے۔ مگر بد قسمتی سے عین عالم جوانی میں وفات پائی۔ جس کا غالبؔ پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے اُردو میں ایک پُر درد مرثیہ لکھ کر اپنے گہرے غم و اندوہ کا اظہار کیا ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

غالبؔ نے عارفؔ کے دونوں کمسن بچّوں کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ایک کا نام باقر علی خاں اور دوسرے کا حسن علی خاں تھا۔ دونوں کا ذکر غالبؔ کے حالات میں اکثر آتا ہے۔ یہ دونوں پڑھے لکھے بھی تھے اور شاعری کا ذوق بھی تھا۔ میرزا باقر علی خاں، فارسی میں باقرؔ اور اُردو میں کاملؔ تخلص کرتے تھے۔ کچھ دن مہاراجہ الور کے مصاحب رہے، پھر دلّی آ کر گھوڑوں کی تجارت کرنے لگے۔ ۲۵ مئی ۱۸۷۶ء میں بعارضۂ دق وفات پائی۔ مرزا حسن علی خاں، باقر علی سے تین سال چھوٹے تھے

غالب نے ان کو بڑی محبت سے پالا تھا۔ یہ بھی اُردو فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے ۔ اُردو میں شاداں اور فارسی میں خیالی تخلص کرتے تھے۔ غالب کی وفات کے بعد رام پور جا کر ملازمت کرلی۔ صرف تیس سال کی عمر میں ۷، ستمبر ۱۸۸۰ء میں وفات پائی۔

ان کے علاوہ مرزا کے قریبی اعزا بہت تھے۔ اور ان سے سب کے تعلقات اچھے رہتے تھے، ان کو اپنے متعلقین کی آرام و آسائش اور فلاح و بہبودی کا بہت خیال رہتا تھا۔ اور ہر ایک کے لئے جو مُناسب ہوتا کرتے رہتے تھے۔

غالب کے خدمت گذار

غالب کی مالی حالت دہلی آنے کے بعد کبھی ٹھیک نہیں رہی۔ مگر وہ امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے پاس ہر زمانہ میں تین چار مُلازم ضرور رہتے تھے۔ ان کے ملازمین کا حال ان کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک کا نام "کلیان" تھا۔ جو ذات کا کمہار تھا۔ ڈاک میں خط ڈالنا، پارسل کرنا، کسی کے پاس پیغام پہنچانا یہ سب اس کے ذمّہ تھا۔ اس کے علاوہ ایک ملازم "ایاز" نامی بھی تھا۔ جس کا ذکر خطوں میں ملتا ہے۔ ایک ملازم کلّو داروغہ بھی تھا۔ جعفر بیگ اور وفادار (ملازمہ) نام کے دو ملازم اور تھے۔ ممکن ہے یہ سب ملازم بیک وقت نہ رہے ہوں، ان میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہو۔ نیاز علی نام کے ایک نوکر کا ذکر بھی ان کے خطوں میں آیا ہے۔ تنگدستی کے دور میں بھی غالب کے یہاں ملازم

وملازمائیں موجود رہیں۔

دہلی میں مستقل سکونت

غالب جب سات برس کے تھے اُس وقت سے ان کا دہلی آنا جانا رہتا تھا۔ ابتدا میں جب دہلی آئے تو ان کا قیام شعبان بیگ کی حویلی میں ہوا۔

غالب کا دہلی میں مستقل قیام تقریباً اُنیس برس کی عمر میں ہوا یعنی ۱۸۱۶ء کے لگ بھگ۔ اس سے قبل آگرہ آمد ورفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ۱۸۱۳ء تک تو ان کا آگرہ میں مستقل قیام ہر طرح ثابت ہوتا ہے۔

دہلی میں غالب کا قیام ہمیشہ کرایہ کے مکانوں میں رہا۔ ان کا کوئی ذاتی مکان نہ تھا۔ نہ انہوں نے آخر وقت تک اس کی فکر کی۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایک ذاتی مکان رہائش کے لئے سُسرال کی طرف سے ملا تھا۔ لیکن وہ ان کے قبضہ میں نہیں رہا۔ قیاس کہتا ہے کہ فروخت کردیا ہو گا۔

مولانا حاؔلی نے، غالبؔ کے مکانات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ"

"غالبؔ نے دہلی میں اپنے لئے کوئی مکان نہیں خریدا تھا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہا کیے۔ ایک مدّت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرایہ کے رہے۔ جب ایک مکان سے جی اُکتایا اسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر قاسم جان کی گلی، یا حبش خاں کے پھاٹک یا اُس کے قرب وجوار

کے سوا کسی اور محلّے میں جا کر نہیں رہے۔ سب سے آخری مکان جس میں ان کا انتقال ہوا، حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانہ کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جس کی نسبت وہ کہتے ہیں ؂

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

بہادر شاہ ظفر کے پیر و مرشد، حضرت کالے شاہ صاحب غالب سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے غالب کو گلی قاسم جان میں اپنی حویلی کرا   کے بغیر دیدی تھی۔ شعبان بیگ کی حویلی کے بعد یہ پہلا مکان تھا جس میں غالب نے قیام کیا۔

کچھ عرصہ بعد کالے شاہ صاحب کی حویلی سے حکیم محمد حسن خاں کی حویلی کرایہ پر لے لی، یہ ۱۸۵۲ء کے شروع کا واقعہ ہے، یہ مکان خراب حالت میں تھا، اس حویلی کا کرایہ چار روپیہ ماہوار تھا۔ ستمبر ۱۸۶۵ء میں اس مکان کو بھی بدل کر ایک دوسرا مکان کرایہ پر لیا۔ اس کا کرایہ ساڑھے پانچ روپیہ ماہوار تھا۔ اس مکان سے بھی زیادہ خوش نہ تھے اسی آخری مکان میں وفات ہوئی۔ یہ مکان بلّی ماران میں گلی قاسم جان کی طرف مڑتے میں پڑتا ہے جس کے کچھ حصّہ پر اب ہندوستانی دواخانہ ہے۔

نوجوانی کا زمانہ

غالب کا بچپن آرام و آسائش میں گذرا، ہر طرح کی آزادی حاصل رہی، آغاز جوانی تک بے فکری سے رہے۔ نو برس کی عمر تھی جب چچا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا اپنی ماں کے ساتھ ننھیال میں رہتے تھے، ان کے نانا مرزا غلام حسین خاں کمیدان زندہ تھے، بڑے با اثر اور دولت مند تھے، غالب اپنا کافی وقت " کھیل کود اور دوسرے تفریحی کاموں میں صرف کرتے تھے، آگرہ کے بہت سے ہندو اور مسلمان رئیس زادے ان کے دوست تھے، غالب کے عادات و اطوار پر بُری صحبتوں کا کافی اثر پڑا۔" شراب نوشی " کی لت بھی پڑ گئی جو آخر عمر تک باقی رہی، لیکن اور بہت سی خراب عادتیں دہلی جا کر چھوڑ دی تھیں۔

شاعری کا شوق

غالب نے دس گیارہ سال کی عمر سے، شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے حالات کی چھان بین کرنے والوں میں سے بعض کا خیال ہے کہ نو سال کی عمر میں شعر موزوں کرنے لگے تھے، اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

فارسی زبان میں مرزا غالب کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ اُنھوں نے ایک ایرانی عالم ملّا عبدالصمد سے فارسی اچھی طرح پڑھی تھی۔ اس زمانہ میں پڑھے لکھے لوگوں میں فارسی شاعری کا رواج تھا غالب نے فارسی کے بڑے شاعروں کا کلام پڑھا اور اس سے

فائدہ اُٹھایا۔ فارسی کے ایک بڑے شاعر مرزا عبدالقادر بیدل گزرے ہیں جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں تھے۔ ان کا کلام بہت مشکل ہوتا تھا۔ اور ان کے شعر معمولی پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ غالب کی طبیعت مشکل پسند تھی، اس لئے اُنہوں نے بیدل کی طرح شعر کہنا شروع کیا۔ اُردو فارسی دونوں میں، مگر ان کے مشکل اشعار کا لوگوں نے مذاق اُڑایا۔ غالب کو بھی اس بات سے رنج ہوا، اُس وقت غالب کے ہمدرد دوستوں نے ان کو سمجھایا کہ اس طرح کے مشکل شعر نہ کہا کریں، زبان آسان ہو، تاکہ ہر شخص جلدی مطلب سمجھ سکے۔ غالب نے اس مشورے پر عمل کیا اور مشکل الفاظ اور ترکیبیں چھوڑ کر آسان زبان میں شعر کہنے لگے" حالانکہ ان کے آسان الفاظ والے اشعار میں جو گہری باتیں اور اونچے خیالات، اور خاص باتیں ہوتی ہیں وہ اچھے پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہاں ایسے اشعار بھی ہیں جن کو ہر ایک سمجھ لیتا ہے مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ غالب نے اپنے اشعار میں جو باتیں دلچسپ اور انوکھے طریقوں سے بیان کی ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہر شخص کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو خود اس کے دل کی بات ہے۔ جو غالب نے اس انداز سے بیان کر دی جسکو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے غالب کا کلام سارے ملک میں بہت تیزی سے پھیلا اور مقبول ہوا۔

غالب کی شاعری میں جو خاص باتیں ہیں وہ آگے بیان کی جائیں گی۔

غالب کے اعزا

غالب کے بعض اعزا کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اُنکے چند خاص عزیزوں اور متعلقین کا مختصر ذکر کرنا ضروری ہے جن کے نام ان کے حالات اور ان کی تصانیف میں بار بار آتے ہیں۔ غالب کی شادی نواب الٰہی بخش معروف کی بیٹی سے ہوئی تھی جو فخر الدولہ، دلاور الملک نواب احمد بخش خاں صاحب بہادر رستم جنگ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور فیروز پور جھرکہ اور لوہارو کے رئیس تھے، معروؔف کے دو بیٹے تھے اور دو بیٹیاں۔ ایک بیٹے میرزا علی بخش رنجور، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، رنجوؔر غالب سے چار سال چھوٹے تھے۔ غالبؔ سے ان کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے۔ ہمیشہ ہر کام میں غالب کے مددگار تھے۔ ان کو فیروز پور جھرکہ سے سو روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ نواب احمد بخش کی وفات کے بعد یہ وظیفہ بند ہو گیا تھا۔ دوبارہ انگریز سرکار نے پچاس روپیہ مقرر کر دیئے تھے، ان کی وفات ۳۱ دسمبر ۱۸۶۳ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ غالبؔ کے فارسی کلام کی جمع و ترتیب میں مددگار تھے، پنج آہنگ کی ترتیب و طباعت میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔

خاندانِ لوہارو اور غالب

لوہارو خاندان سے غالب کی قرابت داری تھی۔ اسی لئے غالب کے حالات میں اس خاندان کا ذکر آتا ہے۔ اس خاندان کے لوگ بھی غالب کے اجداد کی طرح ترکستان سے ہندوستان آئے تھے۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں سمرقند سے تین تورانی بھائی ہندوستان آئے اور پہلے

پنجاب میں قیام کیا پھر دلّی پہنچے، ان تینوں کے نام یہ ہیں، قاسم جان، عارف جان، عالم جان۔ قاسم جان بڑے تھے، لاہور کے ناظم معین الملک کے یہاں ملازم ہو گئے، ناظم لاہور کی وفات کے بعد دلّی چلے آئے اور اپنی بہادری اور اچھے انتظام کے سبب سے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، آخر میں آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ چلے گئے وہیں وفات پائی۔ دہلی میں گلی قاسم جان نام کا محلہ انہیں کے نام سے منسوب ہے۔

عالم جان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ عارف جان کے چار بیٹے تھے، ان میں دو بہت مشہور رہیں۔ نواب احمد بخش خاں اور نواب الٰہی بخش خاں معروف۔ احمد بخش بڑے بہادر آدمی تھے۔ انہوں نے انگریزی فوج میں بڑے عہدوں پر رہ کر بہت نیک نامی حاصل کی۔ جس کے صلہ میں فیروز پور جھرکہ کی ریاست ان کو مل گئی۔ اس کے ساتھ لوہارو کا علاقہ انہوں نے خود خرید لیا تھا۔ احمد بخش کی دو بیویاں تھیں، ایک بیوی میوات کی تھیں، ان سے کئی اولادیں ہوئیں، بڑے لڑکے کا نام شمس الدین احمد تھا۔ دوسری بیوی ان کے خاندان کی تھیں، ان سے دو بیٹے تھے۔ نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں۔ دونوں بیویوں کی اولادوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اس لئے احمد بخش خاں نے ۱۸۲۶ء میں فیروز پور جھرکہ کا علاقہ نواب شمس الدین احمد خاں کو دیدیا اور لوہارو کا علاقہ نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں کو دیدیا۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء میں احمد بخش خاں نے وفات پائی۔

ان کے چھوٹے بھائی نواب الٰہی بخش خاں بہت نیک آدمی تھے اور زیادہ عمر گوشہ نشینی میں بسر کی۔ ان ہی کی لڑکی سے غالب کی شادی ہوئی تھی۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، اس طرح غالب کی اس خاندان سے رشتہ داری قائم ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ جب غالب کے چچا کا انتقال ہوا تو ان کے خاندان کے لئے دس ہزار روپیہ سالانہ لارڈ لیک نے وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور اس آمدنی کے لئے جائداد نواب احمد بخش خاں کی جاگیر کے ساتھ شامل تھی، مگر احمد بخش نے تین ہزار سالانہ سے زیادہ غالب اور ان کے متعلقین کو نہیں دیا۔ اس میں غالب کا حصہ ساڑھے سات سو روپیہ سالانہ تھا۔

غالب نے پوری پنشن حاصل کرنے کے لئے حکومت ہند کی کونسل میں اپیل کی اور اس سلسلہ میں کلکتہ کا سفر کیا۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

خاندان لوہارو میں جھگڑا

نواب احمد بخش خاں نے جب شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین مقرر کیا تو ان کے دوسرے بھائیوں کے دل میں مخالفت پیدا ہوئی اور سامان کی تقسیم میں بھی اختلاف ہوا یہاں تک کہ معاملہ انگریزی حکومت کے ذمہ داروں تک پہنچا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ریاست امین الدین احمد اور ضیاء الدین احمد کو ملے۔ مگر جب تک ضیاء الدین احمد نابالغ ہیں آمدنی سرکاری خزانہ میں جمع ہوتی رہے۔ جب بالغ ہو جائیں

دونوں بھائیوں میں تقسیم کردی جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ دونوں بھائی اتفاق کریں تو جاگیر کا انتظام شمس الدین احمد خاں کے ہاتھ رہے۔

اسی زمانہ میں ریذیڈنٹ بدل گیا اور حکومت ہند کے فیصلہ کے مطابق جاگیر نواب شمس الدین کے انتظام میں دیدی گئی۔

ولیم فریزر اور شمس الدین احمد خاں

۱۸۳۰ء میں مسٹر ولیم فریزر دہلی کے ریذیڈنٹ مُقرر ہوئے۔ وہ نواب احمد بخش خاں کے دوستوں میں تھے۔ غالبؔ سے بھی ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ فریزر نے کوشش کرکے ریاست لوہارو کا انتظام شمس الدین احمد خاں کے ہاتھ سے لے لیا اور نواب امین الدین خاں کے سپرد کرادیا۔ شمس الدین احمد خاں کو ولیم فریزر کی یہ بات بہت ناگوار ہوئی، اور ان کے اشارہ پر کریم خاں نامی شخص نے موقعہ پاکر ولیم فریزر کو گولی مار کر ہلاک کردیا۔ قاتل گرفتار ہوگیا اس نے اور ایک دوسرے شخص نے یہ ظاہر کردیا کہ شمس الدین احمد خاں کے اشارہ پر فریزر قتل کیا گیا ہے۔ اس لئے انگریزی حکومت نے شمس الدین احمد خاں کو گرفتار کرلیا اور کشمیری دروازہ کے باہر ان کو پھانسی پر لٹکا دیا۔

غالبؔ اور شمس الدین احمد خاں

غالبؔ سے شمس الدین احمد خاں کے تعلقات خراب

تھے۔ اس کا خاص سبب پنشن کا معاملہ تھا۔ فریزر غالب کا دوست تھا۔ اسلئے بہت سے لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ غالب نے مخبری کر کے شمس الدین احمد خاں کو گرفتار کرایا۔ اتفاق سے غالب اس زمانہ میں بہت قرضدار تھے اور قرض خواہوں کے ڈر سے دن میں باہر نہیں نکلتے تھے، رات میں دوستوں سے ملنے جاتے تھے۔ انگریز حکام کے پاس کبھی حاضری دیتے تھے۔ اس لئے ان پر شبہ ہونا باعثِ تعجب نہیں ہے۔ اور بعض تاریخ لکھنے والوں کا خیال ہے کہ غالب نے یقیناً شمس الدین احمد خاں کی گرفتاری میں مدد کی تھی۔

خاندان لوہارو کے دوسرے افراد کا غالب سے تعلق

نواب شمس الدین احمد خاں کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ غالب سے ان کے تعلقات ہمیشہ خراب رہے، نواب امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں، علاؤالدین احمد خاں اور شہاب الدین احمد خاں سے غالب کے تعلقات خوشگوار رہے، نواب ضیاء الدین کے دو لڑکے بہت مشہور ہوئے، شہاب الدین احمد ثاقب اور سعید الدین احمد طالب دونوں پڑھے لکھے اور خوش گو شاعر تھے۔ ثاقب کے دو لڑکوں نے بہت شہرت حاصل کی، شجاع الدین احمد خان تاباں، اور سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی، جنہوں نے فن شاعری میں بہت شہرت حاصل کی، ہندوستان میں ان کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے،

سائل نے ۱۹۴۲ء میں بمقام دہلی... وفات پائی۔

ضیاء الدین احمد خاں فارسی میں نیّر تخلص کرتے تھے، اور اُردو میں رخشاں، اچھے شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے، علاء الدین احمد خاں بھی شاعر تھے، پہلے نسیمی تخلص رکھا پھر بدل کر علائی کر دیا، یہ دونوں غالب سے اصلاح لیتے تھے، غالب کے بعض اشعار اور ان کے خطوط میں دونوں کا ذکر ملتا ہے۔

یہ تھے خاندان لوہارو اور اس خاندان کے خاص لوگوں کے مختصر حالات، جن کو جاننا اس لئے ضروری ہے کہ غالب کے حالات میں ان کا ذکر کہیں نہ کہیں آ ہی جاتا ہے۔

غالب کے بھائی مرزا یوسف

غالب سے چھوٹے ان کے ایک حقیقی بھائی تھے مرزا یوسف غالب سے دو سال چھوٹے تھے، دہلی میں ان کا قیام غالب کے مکان سے قریب ایک دوسرے مکان میں تھا۔ تیس سال کی عمر میں دیوانہ ہو گئے، اس لئے ان کے بیوی بچے ان کو چھوڑ کر چلے گئے، صرف ایک پُرانا ملازم اور ایک بوڑھی ملازمہ ان کی دیکھ بھال کے لئے ساتھ تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں دہلی کے اندر ہنگامہ شروع ہوا تو اسی زمانہ میں مرزا یوسف کا انتقال ہو گیا۔ بڑی مشکل سے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا، غالب نے اس واقعہ کو خود لکھا ہے۔

مرزا یوسف کی ایک لڑکی تھی، جس کی شادی غلام فخر الدین خاں

ے دراصل مرزا یوسف زمانہ غدر میں مکان سے باہر نکلے تو ایک فوجی سپاہی کی گولی کا نشانہ بن گئے تھے۔

سے ہوئی تھی جو الٰہی بخش خاں معروف کے پوتے تھے، ان کے چار بچے تھے۔ غلام فخر الدین خاں ۱۸۵۷ء کے بعد حیدرآباد دکن چلے گئے تھے وہاں ان کو ریاست سے دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ ملنے لگا۔ ان کے ایک لڑکے مرزا محمد سعید خاں تھے، جن کی اولاد اب تک حیدرآباد میں موجود ہے۔

غالبؔ کا سفر کلکتہ

مرزا غالبؔ نے دہلی سے باہر کئی سفر کیئے، مگر انہوں نے اپنی زندگی میں صرف ایک لمبا سفر کیا۔ اور وہ کلکتہ کا سفر تھا۔ اس سلسلہ میں وہ تقریباً تین سال دہلی سے باہر رہے۔ اس سفر کے راستہ میں اُنھوں نے لکھنؤ، الہ آباد، بنارس، پٹنہ اور بعض دوسرے شہروں میں بھی قیام کیا۔

سفر کا مقصد

غالبؔ کو فیروزپور جھرکہ سے پنشن ملتی تھی۔ ان کے خاندان کے لئے دس ہزار روپیہ سالانہ مقرر تھا۔ مگر نواب احمد بخش خاں صرف تین ہزار سالانہ دیتے تھے، اس میں غالبؔ کا حصّہ صرف ساڑھے سات سو روپیہ سالانہ تھا۔ غالب چاہتے تھے کہ پورے دس ہزار سالانہ ملیں تاکہ ان کے حصّہ کی رقم میں اضافہ ہو۔ جب احمد بخش خاں نے اپنے بڑے بیٹے نواب شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین مقرر کیا تو انھوں نے جو رقم ملتی تھی وہ بھی بند کردی، اس لئے غالبؔ مجبور ہوئے کہ اس کے لئے قانونی چارہ جوئی کریں، اس زمانہ میں ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی

حکومت تھی۔ اور حکومت کا صدر مقام کلکتہ تھا۔ جہاں گورنر جنرل رہتا تھا اور اس کی انتظامیہ کونسل بھی وہیں تھی۔ اور غالبؔ کو اسی کونسل کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنا تھا، اس مقصد کے لئے غالبؔ نے بڑی پریشانی اُٹھائی لمبا سفر کیا، سفارشیں کرائیں مگر ان کا مقصد حاصل نہ ہوا، کلکتہ سے ناکام واپس آئے۔

آغازِ سفر

غالبؔ دہلی سے کلکتہ کے لئے کب روانہ ہوئے؟ اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔ کچھ بعض تحقیق کرنے والوں کا خیال ہے کہ ۱۸۲۶ء کے وسط میں دلّی سے روانہ ہوئے، اور بعض[1] کی رائے ہے کہ ۱۸۲۷ء میں اُنھوں نے کلکتہ کا سفر شروع کیا

دلّی سے غالبؔ، کانپور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔ اس زمانہ میں اودھ کے بادشاہ غازی الدین حیدر تھے، اور ان کے نائب آغا میر تھے۔ لکھنؤ کے اہلِ علم نے مرزا غالبؔ کی خوب آؤ بھگت کی۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ غالبؔ لکھنؤ میں کہاں ٹھہرے تھے، ان کا قیام پانچ ماہ لکھنؤ میں رہا، وہاں کی علمی مجلسوں میں بھی شریک ہوئے مگر بادشاہ اور ان کے نائب سے غالبؔ

---

[1] غالبؔ کے مشہور سوانح نگار، مولانا غلام رسول مہرؔ نے لکھا ہے کہ اپریل ۱۸۲۷ء میں غالبؔ دہلی سے روانہ ہوئے (غالب از غلام رسول مہر مطبوعہ لاہور صفحہ ۹) اور ذکرِ غالب کے مؤلف مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ غالب لگ بھگ اگست ۱۸۲۶ء میں دلّی سے روانہ ہوئے۔

کی ملاقات نہ ہو سکی - اس کی وجہ یہ ہوئی کہ غالب سے ملنے کے لئے آغا میر تیار تھے لیکن غالب نے یہ شرط لگا دی کہ جب وہ پہنچیں تو نائب سلطنت کھڑے ہو کر ان کا استقبال کریں - آغا میر اس کے لئے تیار نہ ہوئے - اس لئے ملاقات نہ ہو سکی - اور جب بادشاہ کے نائب تک نہ پہنچے تو پھر دربار شاہی میں پہنچنے کا موقع کب ملتا -

غالب نے پانچ ماہ لکھنؤ میں قیام کیا پھر کانپور کے راستہ سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے اور پہلے باندہ پہنچے، وہاں غالب کے کچھ رشتہ دار بھی تھے، ان سے ملے، باندہ سے روانہ ہو کر کئی چھوٹے مقامات پر ٹھہرے - یہ سفر کبھی گھوڑے پر کبھی گھوڑے گاڑی پر اور زیادہ دریائے گنگا میں کشتی کے ذریعہ طے کیا - کشتی کے ذریعہ الٰہ آباد پہنچے، وہاں سے بنارس گئے اور کچھ دن وہاں قیام کیا - بنارس غالب کو بہت پسند آیا - اس شہر کی تعریف میں ایک مثنوی لکھی جس کا نام چراغِ دیر ہے یہ فارسی زبان میں ہے - غالب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ :-

بھائی بنارس خوب شہر ہے، اور میرے پسند ہے،
ایک مثنوی میں نے اس کی تعریف میں لکھی ہے، اور "چراغ دیر"
اس کا نام رکھا ہے - وہ فارسی دیوان میں موجود ہے"

بنارس سے غالب نے پٹنہ تک گھوڑے پر سفر کیا - وہ جمعہ ۲۹ دسمبر ۱۸۲۷ء کو بنارس سے روانہ ہوئے اور کچھ عرصہ بعد پٹنہ پہنچے وہاں چند دن قیام کر کے کلکتہ روانہ ہوئے اور ۲۱ فروری ۱۸۲۸ء کو کلکتہ پہنچ گئے -

غالب اور کلکتہ

کلکتہ میں غالب نے شملہ بازار میں ایک مکان کرایہ پر لیا اور اس میں قیام کیا۔ مکان بہت بڑا تھا اور اس کا کرایہ دس روپیہ ماہوار تھا۔ غالب کو کلکتہ کی آب و ہوا بہت پسند آئی جس کا ذکر انھوں نے اپنے اُردو فارسی اشعار اور خطوط میں بھی کیا ہے۔ وہ بنگال کی آب و ہوا کے علاوہ وہاں کے آموں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ کلکتہ میں غالب نے انگریزوں کے رہن سہن کے طریقوں کو دیکھا۔ نئی نئی قسم کی مشینیں اور فیشن کے نئے نئے سامان دیکھنے کا موقع مِلا، انگریز قوم کے عادات، ان کی صفائی ستھرائی، نے غالب کو بہت متاثر کیا۔ غالب اپنی پنشن کے مقدمہ کے سلسلہ میں کلکتہ گئے تھے، اس میں تو ان کو ناکامی ہوئی، لیکن سفر سے بہت سے فائدے بھی ہوئے۔ کلکتہ میں غالب کو کچھ اچھے دوست بھی مِل گئے، ان میں ایک مولوی سراج الدین احمد خاں تھے، بڑے عالم اور فاضل تھے، غالب کے بہت سے فارسی خط ان کے نام ہیں، دوسرے نواب اکبر علی خاں جو ہوگلی کے امام باڑے کے متولی تھے۔ ان کے علاوہ ابوالقاسم اور منشی محمد حسن بھی تھے۔ ان لوگوں سے غالب کے تعلقات بہت دوستانہ ہو گئے تھے۔

غالب کلکتہ کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے، جہاں اُردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر اپنا کلام سُناتے تھے، ایک مشاعرہ میں غالب کے بعض شعروں پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیئے ان کی غلطیاں نکالیں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا وہ لوگ قتیلؔ اور واقفؔ، کو فارسی میں اُستاد مانتے

تھے، یہ دونوں فارسی کے مشہور ہندوستانی ادیب اور شاعر تھے، مگر غالب ان کو بہت کم مرتبہ سمجھتے تھے وہ صرف ایران کے باکمال فارسی کے عالموں اور شاعروں کو مانتے تھے، اس لئے انہوں نے اعتراض کرنے والوں کو سخت جوابات دئیے۔ اور قتیل وغیرہ کا جو حوالہ بعض الفاظ کی صحت کے سلسلہ میں دیا گیا تھا اس کو غلط اور غیر معتبر بتایا۔ جس کی وجہ سے ان کے خلاف ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اور لوگوں نے غالب پر خوب اعتراض کئے، جس سے غالب پریشان ہو گئے، مگر کچھ اچھے لوگ غالب کے ہمدرد بھی ہو گئے تھے۔ اس ہنگامہ کے باعث غالب کی شہرت اور پھیل گئی۔ غالب نے اس واقعہ کو ایک فارسی نظم میں بیان کیا جو مثنوی کی صورت میں ہے اور اس کا نام "بادِ مخالف" رکھا۔

کلکتہ سے واپسی میں غالب کچھ دن مرشدہ آباد اور باندہ میں بھی ٹھہرے اور آخر ماہ نومبر ۱۸۲۹ء کو دہلی واپس پہنچے۔

غالب کے دوسرے سفر

غالب نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑا سفر کیا وہ دہلی سے کلکتہ تک تھا۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے جو سفر کئے ان کا بھی مختصر حال بتانا مناسب ہوگا۔ دہلی سے آگرہ تو ان کا آنا جانا کئی بار رہا۔ اس کے بعد وہ دہلی سے فیروز پور جھرکہ اور لوہارو بھی کئی بار آئے گئے۔ ۱۸۲۵ء میں جب انگریزی فوج نے بھرت پور (راجستھان) پر حملہ کیا تھا، اس وقت نواب احمد بخش کا فوجی دستہ بھی انگریزوں کے ساتھ تھا۔ اور غالب بھی نواب

احمد بخش کے ساتھ گئے تھے۔

غالب اور رام پور

غالب دو بار رام پور گئے، پہلی بار آخر جنوری ۱۸۶۰ء کو رام پور گئے وہاں جانے کا مقصد یہ تھا کہ نواب رام پور سے کچھ مالی مدد حاصل ہو جائے اس سفر کے لئے غالب ۱۹ جنوری ۱۸۶۰ء کو دہلی سے روانہ ہوئے۔ اور ۲۰ کو میرٹھ پہنچے، وہاں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے یہاں قیام کیا۔ وہاں سے شاہجہان پور اور گڑھ مکتیشر ہوتے ہوئے مراد آباد گئے۔ اور مراد آباد سے رام پور پہنچے (غالباً ۲۷ جنوری ۱۸۶۰ء کو) اور آخر مارچ ۱۸۶۰ء تک وہاں رہے، اس کے بعد دہلی واپس آگئے۔ نواب رام پور نے ان کو بہت عزت و احترام سے اپنے یہاں ٹھہرایا۔ علمی و ادبی محفلوں میں غالب کی وجہ سے رونق آگئی تھی، اچھے اچھے شاعر اور ادیب ان کی صحبت میں بیٹھنا فخر سمجھتے تھے۔

دوسری بار غالب ماہ اکتوبر ۱۸۶۵ء میں رام پور گئے۔ جب نواب یوسف علی خاں کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی جگہ نواب کلب علی خاں مسند نشین ہوئے تھے، غالب مرحوم نواب کی تعزیت اور نئے نواب کو مبارکباد دینے کے لئے گئے تھے۔ یہ سفر غالب نے ہاپوڑ اور مراد آباد کے راستہ سے کیا تھا۔ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو رام پور پہنچے، ان کی کافی خاطر داری ہوئی، نواب کلب علی خاں نے عزت

کے ساتھ ٹھہرایا، غالبؔ نے نواب کا جشن مسند نشینی دیکھا۔ یہ سارے، حالات غالبؔ نے اپنے خطوط میں خود لکھے ہیں۔

پہلے رام پور کے نواب یوسف علی خاں غالب کی مالی امداد کرتے تھے اور جولائی ۱۸۵۹ء سے انہوں نے سو روپیہ ماہوار غالبؔ کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا، نواب صاحب شاعری میں غالب کے شاگرد بھی تھے، ان کے بعد نواب کلب علی خاں نے غالبؔ کا وظیفہ جاری رکھا۔

میرٹھ کا سفر

غالبؔ نے ایک بار آخر جنوری ۱۸۵۹ء میں دہلی سے میرٹھ کا سفر کیا تھا، وہاں جانے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے دوست نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے ملاقات کریں، شیفتہؔ اس زمانے کے بڑے بلند مرتبہ لوگوں میں تھے، مگر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان پر بھی انگریزوں کی مخالفت کا الزام لگایا گیا اور ان پر مقدمہ چلا، انگریزی عدالت نے ان کو سات سال قید کی سزا دی مگر بعد میں جب کسی طرح ان کی طرف سے حکومت کو اطمینان ہو گیا کہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تو رہا کر دئیے گئے۔ غالبؔ ان کو رہائی پر مبارکباد دینے میرٹھ گئے تھے اور تین دن وہاں ٹھہرے اور ۲۵ جنوری کو دہلی واپس آ گئے۔

یہ تھے غالب کے سفر، یوں تو انھوں نے لوگوں کے اصرار اور کچھ اپنی ضرورت کے سلسلہ میں، فرخ آباد، گوالیار، سورت، مارہرہ

کالپی، حیدرآباد، انبالہ، کے سفر کا ارادہ کیا مگر کسی نہ کسی مجبوری کے باعث جا نہ سکے۔

غالب کی مالی حالت

مرزا غالب کا بچپن اور جوانی کا ابتدائی زمانہ آرام و آسائش سے گذرا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ لیکن دہلی کے مستقل قیام کے بعد وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ امیروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ اور آمدنی اتنی نہ تھی جتنا خرچ کرتے تھے۔ مجبوراً مہاجنوں سے سودی قرض لینا پڑتا۔ اور قرض بھی بہت لیتے تھے، شراب پینے کی بُری عادت نے خرچ اور بڑھا دیا تھا۔ فیروزپور جھرکہ اور لوہارو سے ان کی جو خاندانی پنشن مقرر تھی وہ پوری نہ ملتی تھی، پھر کچھ عرصہ بعد جو ملتی تھی وہ بھی بند ہو گئی ۱۸۲۶ء سے ۱۸۴۴ء تک غالب اس پنشن کو جاری کرانے اور بقایا حاصل کرنے کے لئے مقدمہ لڑتے رہے اور اس امید پہ خوب قرض لیتے رہے کہ پنشن کی بقایا یکمشت ملے گی تو ادا کر دیں گے مگر اس میں ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ قرض بڑھتا رہا، قرضدار پریشان کرتے رہے، یہ حالت تھی کہ دن میں قرضداروں کے تقاضوں کی وجہ سے باہر نہیں نکلتے تھے، عام طور سے ملنے ملانے رات کو جایا کرتے تھے، خاندانی پنشن جب جاری ہوئی تو صرف ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار انگریزی خزانہ کے ذریعہ ملتے تھے۔

غالب نے اپنی مالی پریشانی کا اکثر خطوں میں رونا رویا ہے۔ روپیہ حاصل کرنے کے لئے امیروں اور رئیسوں کے علاوہ انگریزی حکام کی تعریف میں قصیدے لکھے۔

نواب رام پور نے ان کے لئے سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا جس کا حال لکھا جا چکا ہے، اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفرؔ کے یہاں سے پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ ملنے لگی تھی۔ مستقل آمدنی بھی وظائف تھے، کبھی کبھی کسی رئیس سے کچھ مل جاتا تھا۔ بہر حال غالب زندگی بھر مالی پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ لیکن اخراجات میں جہاں تک ہو سکا کوئی کمی نہیں کی، اودھ کے آخری بادشاہ واجد علی شاہ نے غالب کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ مگر وہ ۱۸۵۶ء میں حکومت سے معزول کر دئیے گئے اس لئے غالبؔ کا وظیفہ بھی بند ہو گیا۔

بادشاہ کی ملازمت

غالب کے زمانہ میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ دہلی کے لال قلعہ میں رہتے تھے، ان کو شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ قلعہ میں مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے، مرزا غالب بھی کبھی کبھی بہادر شاہ ظفرؔ کے یہاں حاضر ہوتے تھے، شاعری میں بادشاہ کے استاد، شیخ ابراہیم ذوقؔ تھے۔ جو اس زمانہ کے ایک بلند مرتبہ شاعر تھے۔ ۱۸۵۰ء میں غالبؔ کو قلعہ میں پچاس روپیہ ماہوار پر ملازمت مل گئی۔ بادشاہ نے اپنے

پیرومرشد شیخ نصیرالدین عرف کالے میاں اور حکیم احسن اللہ خاں، (وزیر اور شاہی طبیب تھے) کی سفارش پر، تیموری خاندان کی تاریخ فارسی زبان میں لکھنے کا کام سپرد کیا۔ اس سلسلہ میں غالب کو نجم الدولہ، دبیرالملک، نظام جنگ کے خطابات بھی ملے۔ غالب کو قلعے سے پچاس روپیہ ماہوار شروع جولائی ۱۸۵۰ء سے لیکر آخر اپریل، ۱۸۵۷ء تک ملتے رہے۔

غالب نے خاندانِ تیموریہ کی تاریخ کا جتنا حصّہ لکھا تھا، وہ "مہر نیم روز" کے نام سے کتابی صورت میں چھپ چکا ہے، باقی حصّہ پورا نہ ہو سکا۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہو چکا تھا اور انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا۔ اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بہادر شاہ ظفر ۱۸۵۸ء کو ماہ اکتوبر میں رنگون بھیجے گئے جہاں، ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو انہوں نے وفات پائی۔

غالب کو شاہزادہ فتح الملک بہادر کی طرف سے بھی چار سو روپیہ سالانہ ملتا تھا۔ کیونکہ وہ غالب سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ جولائی ۱۸۵۶ء میں شہزادہ فتح الملک نے بعارضۂ ہیضہ وفات پائی تھی۔

بادشاہ کے استاد

بہادر شاہ ظفر شاعری میں استاد ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے، جب ۱۸۵۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو غالب کو اپنا استاد بنا لیا۔ قلعہ کے ملازموں کو چھ ماہ کی تنخواہ ایک ساتھ ملا کرتی تھی، جس کی وجہ سے غالب کو بہت پریشانی ہوتی تھی، وہ چاہتے تھے کہ تنخواہ ہر ماہ مِل جایا کرے۔ اس لئے

انہوں نے ایک دلچسپ قطعہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ اس کے چند شعر یہ ہیں۔ ع

مری تنخواہ جو مقرّر ہے
اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار (طریقہ)

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

مری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ
تا نہ مجھ ہم کو زندگی دشوار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اس قطعہ کو سُن کر بادشاہ نے حکم دیدیا کہ غالبؔ کو ہر ماہ تنخواہ دی جایا کرے۔

غالبؔ قید خانہ میں

مرزا غالبؔ کی زندگی میں ایک بہت افسوسناک واقعہ پیش آیا، یہ ان کے لئے ایک بڑی مصیبت تھی، لیکن آدمی جیسا کچھ کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے، مرزا غالب کو قمار بازی (جوا کھیلنے کا) شوق تھا، یہ بُری عادت بھی اُنھوں نے آگرہ میں سیکھی تھی، دہلی میں اس زمانہ میں جُوا کھیلنے کی وبا بہت پھیلی ہوئی تھی، چاندنی چوک کے جوہریوں کے لڑکے اور بہت سے بے فکرے امیرزادے جوا کھیلتے تھے، حکومت کے قانون میں جوا کھیلنا جُرم تھا۔ غالبؔ کے جوا کھیلنے کی اطلاعیں حکام دہلی کو ملتی تھیں مگر ان کو ایک معزز آدمی سمجھ کر ان کے خلاف کارروائی نہیں ہوئی پھر حاکموں سے بھی ان کے دوستانہ تعلقات تھے، چونکہ غالبؔ مالی پریشانی میں مبتلا رہتے تھے اس لئے انھوں نے جواریوں کا ایک اڈّہ اپنے مکان پر قائم کر لیا جس میں لوگ جمع ہو کر کھیلتے تھے، غالبؔ بھی شریک ہوتے تھے اور کچھ نہ کچھ رقم جیت لیتے تھے، اس کے علاوہ جس کے یہاں اڈّہ ہوتا تھا اس کو ہر کھیلنے والے سے بھی کچھ مقرّرہ رقم ملتی تھی، اس لئے ان کی اچھی

خاصی آمدنی ہوجاتی تھی۔ ۱۸۴۵ء میں دہلی میں ایک نیا کوتوال آیا جو بہت سخت تھا، وہ جوا خانوں کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک دن پولیس کے دستہ کے ساتھ غالب کے مکان پر چھاپہ مارا اور جواری تو چھتوں پر چڑھ کر بھاگ نکلے چند گرفتار بھی ہوئے۔ غالب رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ اِن کی گرفتاری آخر ماہ جون ۱۸۴۷ء میں ہوئی۔ اور ان پر مقدمہ چلا اور چھ مہینے کی قید باشقت کی سزا اور دو سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ غالب کی طرف سے جرمانہ ادا کردیا گیا تھا ورنہ سزا میں اور اضافہ ہوجاتا۔ غالب کی رہائی کے لئے بہادر شاہ ظفر اور بعض بڑے لوگوں نے سفارشیں کیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔

غالب کے لئے قید ہونا بڑی سخت بات تھی، تین ماہ جیل میں رہنا پڑا، عزیزوں اور دوستوں نے ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں، کسِی نے خبر نہ لی، ان کے عزیز بے عزتی کے خیال سے غالب کے ساتھ اپنے رشتہ داری کے تعلق کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے، دوستوں کو یہ خوف تھا کہ غالب جوا کھیلنے کی وجہ سے قید ہوئے ہیں ایسے شخص کی دوستی سے اپنی عزت جائے گی۔ غالب کو ان لوگوں سے ایسے برتاؤ کی امید نہ تھی، اِس لئے ان کو بہت غم ہوا۔ انہوں نے قید خانہ میں ایک نظم لکھی جسکو "زنداں نامہ" یا "حبسیہ نظم" بھی کہتے ہیں، اس میں قید خانہ کا حال، اپنی تکلیف کی کیفیت اور عزیزوں اور دوستوں کے برتاؤ پر اپنے دِلی خیالات ظاہر کئے ہیں، یہ نظم فارسی میں ہے اور بہت پُرتاثیر ہے۔

غالب جب تین ماہ قید میں گذار چکے تو مجسٹریٹ نے باقی سزا معاف کر کے ان کو رہا کرا دیا۔ قید کے زمانہ میں صرف ان کے ایک دوست نے ہر طرح کی مدد کی تھی اور وہ تھے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، غالب نے اپنی نظم میں ان کی تعریف کی ہے اور بعض خطوں میں بھی ان کے احسان کا ذکر کیا ہے۔

غالب اور دہلی کالج

مرزا غالب فارسی زبان کے بڑے ادیب اور شاعر تھے، ادب اور قواعد میں ان کی قابلیت کو سب مانتے تھے، اس زمانہ میں دہلی میں انگریزوں نے ایک کالج قائم کیا تھا جس میں ہر علم و فن کے اچھے اچھے استاد رکھے گئے تھے، فارسی کے استاد کی جگہ خالی تھی، ۱۸۴۲ء میں شمالی و مغربی صوبہ کے لفٹننٹ گورنر مسٹر ٹامسن کالج کا معائنہ کرنے آئے۔ اور انھوں نے کالج کا انتظام کرنے والوں سے کہا کہ جس طرح عربی پڑھانے کے لئے مولوی مملوک علی نانوتوی جیسے زبردست عالم ہیں اسی طرح فارسی کا بھی ایک قابل اُستاد رکھا جائے۔ مولانا صدرالدین آزردہ ان کے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ اس وقت دہلی میں فارسی کے تین بڑے عالم ہیں۔ حکیم مومن خاں مومن، شیخ امام بخش صہبائی اور میرزا اسد اللہ خاں غالب۔ گورنر نے پہلے مرزا غالب کو بلایا۔ دوسرے دن غالب فینس میں سوار ہو کر ان کے بنگلہ پر پہنچے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اس بات کا

انتظار کرنے لگے کہ کوئی ان کے استقبال کے لئے آئے تو اندر جائیں۔ جب گورنر ٹامسن کو معلوم ہوا تو وہ باہر آئے اور غالب سے کہا کہ آپ ملاقات کے لئے آئے ہوتے تو میں آپ کا استقبال کرتا۔ آپ تو ملازمت کے لئے آئے ہیں اس لئے استقبال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غالب بڑے خوددار تھے، فوراً جواب دیا کہ میں ملازمت اس لئے چاہتا ہوں کہ اس سے میری عزت میں اضافہ ہو نہ ... یہ کہ جتنی عزت پہلے سے ہے اس میں بھی کمی آجائے۔ ایسی ملازمت کو دور سے سلام کرتا ہوں ۔ یہ کہہ کر اپنے گھر واپس آ گئے۔

۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی اور مرزا غالب

۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے باشندوں نے انگریزی حکومت کے خلاف تحریک چلائی، انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ سے سارے لوگ پریشان حال تھے رفتہ رفتہ پورا ملک ان کے قبضہ میں چلا گیا تھا جس کا مفصل حال تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے، سب سے پہلے بارکپور چھاؤنی کلکتہ میں کچھ سپاہیوں نے اپنے انگریز افسروں کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ پھر میرٹھ میں انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے انگریزوں سے جنگ شروع کر دی اور یہ تحریک پورے ہندوستان میں پھیل گئی ۔ میرٹھ کے باغی سپاہی دہلی آ گئے، آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ جو برائے نام بادشاہ تھے باغیوں کی مدد پر آمادہ ہو گئے ۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہندوستانی فوجی دہلی میں داخل ہوئے اور قتل و غارت گری شروع ہو گئی۔ غالب

اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہے۔ قلعہ سے بھی تعلق ختم کر لیا۔ ان کو صرف اپنی فکر تھی، وہ انگریزوں کے غلبہ سے خوفزدہ تھے، اس لئے ان کی مخالفت نہیں کی۔ بہادر شاہ کے متعلق شک تھا کہ ان کی بادشاہت رہے نہ رہے اس لئے ادھر سے رُخ پھیر لیا۔ آزادی کی اس تحریک کے وہ دل سے مخالف تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب دستنبو اور بعض خطوں میں لکھا ہے۔ اس جنگ کا نتیجہ ہندوستانیوں کے لئے شکست کی صورت میں نکلا اور انگریزوں کا دلّی کے علاوہ تقریباً سارے ملک پر اقتدار قائم ہو گیا۔ دہلی کے مسلمانوں کو دل کھول کر ستایا اور تباہ و برباد کیا گیا۔ اس زمانہ میں غالبؔ بھی بہت پریشان رہے۔ اور گھر سے باہر نہیں نکلے، ان کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ ضروریات زندگی آسانی سے میسّر نہ ہوتی تھیں۔ کچھ تھوڑا سا افسوس اپنے بعض عزیزوں اور دوستوں کی تباہی کا بھی تھا۔ مگر انہوں نے انگریزوں سے لڑنے والوں کو دل کھول کر بُرا بھلا لکھا اور انگریزوں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیئے۔ قومی نقطۂ نظر سے غالبؔ کی زندگی اور ان کی قومی غیرت کا یہ ایک تاریک پہلو ہے۔ کہ ذاتی مفاد اور عیش و آرام کے حصول کے لالچ میں ملک کی غلامی اور قوم کی تباہی پر افسوس کرنے کے بجائے ظالموں اور زبردستوں کی تعریف کرتے رہے اور دعائیہ قصیدے لکھ کر پیش کرتے رہے۔

جب ہنگامے شروع ہوئے تو غالبؔ نے بیوی کے زیورات اور

قیمتی سامان کالے شاہ صاحب کے مکان بھیج دیا تاکہ محفوظ رہے۔ مگر ان کا گھر بھی لُٹ گیا اور غالبؔ کا سامان بھی گیا۔

اسی پریشانی کے زمانہ میں غالبؔ کے چھوٹے بھائی یوسف مرزا کا انتقال ہوگیا تھا، ان کو دفن کرنے کچھ باہمت لوگ گئے، مگر غالبؔ نے شرکت نہیں کی۔ محض جان کے خوف سے کہ کوئی ان پر حملہ نہ کردے گھر کے اندر ہی رہے۔

غالبؔ کی گرفتاری اور رہائی

ایک بار ماہ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں چند گورے سپاہی غالبؔ کے محلّہ میں کسی طرح گھُس آئے، مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہی اس محلّے کی حفاظت کر رہے تھے، مگر گورے سپاہی ان کے روکے نہ رک سکے۔ انہوں نے لوٹ مار تو نہیں کی مگر محلّہ کے کچھ لوگوں کو گرفتار کرلیا، ان میں مرزا غالبؔ بھی تھے، ان کو لیجا کر کرنل براؤن ایک انگریز افسر کے سامنے پیش کیا گیا، سب سے مختلف سوالات پوچھے گئے۔ جب غالبؔ کی باری آئی تو ان کی وضع قطع دیکھ کر کرنل نے پوچھا "وِل تم مسلمان ہے؟" غالبؔ نے برجستہ جواب دیا۔ "حضور آدھا" کرنل کو اس جواب سے حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا "یہ کیسے؟" غالبؔ نے کہا "جناب، شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا، اس لئے آدھا مسلمان ہوں۔" کرنل اور اس کے ساتھی ہنس پڑے۔ اور غالبؔ اور ان کے محلّہ کے

دوسرے لوگوں کو رہا کردیا۔

انگریزی حکومت اور غالب

مرزا غالب ابتدا ہی سے انگریزوں کے مدّاح تھے اور ان کی تہذیب اور رہن سہن کی تعریف کرتے تھے۔ انگریزوں کی ترقی اور نئی نئی ایجادات سے متاثر تھے۔ اس سلسلہ میں وہ حد سے زیادہ آگے بڑھ جاتے تھے۔ سرسیّد احمد خاں نے، ابوالفضل کی مشہور کتاب آئینِ اکبری کو درست کرکے چھپوایا تو غالب سے بھی فرمائش کی، کہ اس پر اپنی رائے لکھیں۔ غالب نے جو رائے لکھی اس میں سرسیّد کے اس کام کو فضول کام قرار دیا۔ اور "آئین اکبری" کی بُرائی کرکے انگریزی حکومت کے قوانین اور قاعدوں کی تعریف کی۔ سرسیّد کو غالب کی یہ بات ناگوار گذری، غالب انگریزوں کی خوشامد میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ ان کو لالچ صرف خلعت و اعزاز کا تھا اور اس سے زیادہ روپیہ کا خواہ کسی صورت سے ملے۔

جب غالب کی عمر تیس سال کی تھی، تو ۱۸۲۸ء میں لارڈ بینٹنگ کے زمانہ میں ان کو دربار میں شرکت کا اعزاز ملا، پھر لارڈ ڈالن برا کے زمانہ میں (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء) ان کے لئے خلعت جاری ہوا، اس میں سات کپڑے، موتیوں کی مالا، پگڑی اور اس پر لگانے والی مرصّع کلغی، جب کسی دربار میں شرکت کرتے تو کوئی نہ کوئی قصیدہ لکھ کر بطور نذرانہ

پیش کرتے تھے، انگریز حکام کی تعریف میں ان کے قصیدے، قطعے اور متفرق اشعار بہت ہیں۔

غدر کے بعد خلعت اور پنشن ملنا بند ہو گیا تھا، اس کے لئے غالب نے بڑی کوششیں کیں، سفارشیں کرائیں، خوشامدیں کیں تب کہیں یہ اعزاز پھر حاصل ہوئے، یہ کوشش بھی ہوئی کہ غالب کو درباری شاعر مقرر کیا جائے مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے باعث حکومت انگریزی غالب کی طرف سے بھی کچھ بدگمان ہو گئی تھی۔ غالب نے اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے بڑی کوششیں کیں۔ وہ ہر قیمت پر انگریز حکام کو خوش رکھنا چاہتے تھے اور اس حد تک آگے بڑھ جاتے تھے کہ کوئی خوددار آدمی پسند نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود غالب کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ وہ بڑے خوددار تھے۔ مگر عملی زندگی میں وہ ایک معیاری خوشامدی ثابت ہوئے جس کا ثبوت ان کے حالات زندگی سے بخوبی ملتا ہے۔

بہر حال جہاں غالب ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے اور ان میں بعض اور خوبیاں بھی تھیں وہاں ان کی زندگی کے تاریک گوشے بھی ہیں جہاں وہ اعلیٰ اخلاقی قدروں کو ترک کر کے بہت پست جگہ پر نظر آتے ہیں۔ ہر انسان میں کچھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں، غالب کی اخلاقی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا ان کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہوتا ہے اور صحیح طریقہ پر۔

غالب کا ایک بڑا ادبی معرکہ اور مقدمہ بازی

۱۸۵۷ء کی تحریک ناکام ہو گئی، دہلی میں ہر طرف ویرانی اور بربادی کے آثار نظر آتے تھے، علماء اور شعراء کی محفلیں ویران ہو چکی تھیں۔ مرزا غالب گھر پر تنہا وقت کاٹتے تھے، اس زمانہ میں انہوں نے فارسی لغت کی بڑی اور مشہور کتاب برہان قاطع، پڑھنا شروع کیا، یہ کتاب محمد حسین تبریزی کی لکھی ہوئی ہے۔ جن کے بزرگ تبریز سے ہندوستان آئے تھے۔ محمد حسین ہندوستان میں پیدا ہوئے، دکن میں رہتے تھے۔ غالب کو اس کتاب میں الفاظ اور معنی کی بہت سی غلطیاں نظر آئیں۔ ان سب کو جمع کیا اور ان کے متعلق اپنی رائے لکھی، یہ ایک چھوٹی سی کتاب بن گئی۔ جس کا نام انہوں نے "قاطع برہان" رکھا۔ ۱۸۶۱ء میں یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپ گئی تھی، اس کتاب کی ہندوستان کے بہت سے فارسی عالموں نے سخت مخالفت کی اور غالب کی باتوں سے اتفاق نہیں کیا۔ اور بہت سی کتابیں "قاطع برہان" کے جواب میں لکھی گئیں، جن میں سے چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ "محرق قاطع"، "ساطع برہان"، "قاطع القاطع" غالب کے طرفداروں نے ان کتابوں کے جواب میں کئی کتابیں لکھیں۔ اس طرح ایک اچھا بڑا علمی سرمایہ جمع ہو گیا۔

قاطع القاطع نام سے جو کتاب چھپی تھی وہ مولوی امین الدین صاحب

نے لکھی تھی اس میں مرزا غالبؔ کو فحش گالیاں دی تھیں اور گندے الفاظ استعمال کیئے تھے، اس لئے غالب نے ان کے خلاف عدالت میں ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں بعض بڑے بڑے عالموں اور استادوں نے غالبؔ کی مخالفت کی اور مولوی امین الدین کے الفاظ کے عجب عجب معنی بیان کر کے ان کی بے گناہی ثابت کی۔ کچھ عرصہ یہ مقدمہ چلا پھر کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی اور مقدمہ ختم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں غالب کی مخالفت کا بڑا زور رہا مگر ان کے شاعرانہ کمالات کے سامنے ان کی مخالفت نہ چل سکی اور عزت و شہرت بڑھتی ہی گئی۔

غالبؔ کے دوست

مرزا غالبؔ نے جب آگرہ کی سکونت چھوڑ کر، دہلی میں قیام کیا تو اس وقت دہلی میں بڑے بڑے عالم، شاعر اور ادیب موجود تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزوں کے ہاتھ میں حکومت کا سارا انتظام تھا۔ مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ لال قلعہ میں رہتے تھے، ان کی حکومت بس قلعہ کے اندر چلتی تھی، اور کوئی اختیار بھی ان کو نہ تھا، بس نام کے بادشاہ تھے، ان کا کچھ وقت اپنے خاندان کے لوگوں کی دیکھ بھال میں گذرتا اور زیادہ وقت شعر و شاعری میں صرف ہوتا تھا۔ آئے دن ان کے یہاں مشاعرے

اور علمی محفلیں ہوا کرتی تھیں جن میں اس زمانہ کے بڑے شاعر اور اہلِ علم شرکت کرتے تھے، بادشاہ ظفؔر خود بھی اچھے شاعر تھے، اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، اِن کے کلام کا مجموعہ "کلیات ظفؔر" کے نام سے چھپ چکا ہے، ظفؔر پہلے استاد ذوقؔ سے اپنے اشعار پر اصلاح لیتے تھے، اور ان کی وفات کے بعد مرزا غالبؔ کو انہوں نے اپنا استاد بنالیا تھا۔ شاعری سے بادشاہ کی دلچسپی دیکھ کر ان کے شہزادوں کو بھی شعر کہنے کا شوق ہوگیا تھا، ملازمین اور دوسرے درباری لوگ بھی شاعری کو ذریعۂ عزت سمجھتے تھے۔

اس زمانہ میں دہلی کے اندر ہر علم و فن کے بڑے بڑے قابل لوگ موجود تھے۔ اور ایسے کہ جن کی مثال بعض بڑے بڑے بادشاہوں کے زمانہ میں بھی نہیں ملے گی۔ غالبؔ بہت خوش قسمت تھے کہ وہ اس زمانہ میں دہلی میں رہے۔ وہ خود ایک بڑے شاعر اور ادیب تھے اس لئے دہلی کے عالموں، ادیبوں اور شاعروں سے ان کے تعلقات اچھے تھے، ہم یہاں اس زمانہ کے چند بلند مرتبہ استادوں، عالموں، ادیبوں اور شاعروں کے مختصر حالات لکھیں گے۔ اور ان سب سے مرزا غالبؔ کے تعلقات پر بھی روشنی پڑے گی۔

مُصطفیٰ خاں شیفتہؔ

نواب مُصطفیٰ خاں شیفتہ اس زمانہ میں دہلی کے ممتاز لوگوں میں شُمار ہوتے تھے، خود بڑے عالم و فاضل تھے اور اہلِ علم کی قدر و عزت کرتے تھے۔ فارسی میں شعر کہتے تو حسرتی تخلص کرتے اور اُردو میں ان کا تخلص شیفتہ تھا، ضلع میرٹھ میں ان کی بڑی جاگیر تھی اور ایک دولتمند رئیس تھے، ان کے مکان پر پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے تھے اور علمی و ادبی محفلیں گرم ہوتی تھیں، غالبؔ کے دوست تھے اور دونوں میں گہرے مراسم تھے، غالب ان کے یہاں جاتے تھے اور علمی محفلوں میں شرکت کرتے تھے جس سے ان کو بھی بہت فائدہ پہنچا۔

شیفتہ غالبؔ کے مخلص دوست تھے، جب غالبؔ قید ہوئے تو کسی عزیز اور دوست نے ان کی مدد نہیں کی مگر شیفتہ نے ہر طرح اِن کی خبر گیری کی اور مالی مدد بھی کرتے رہے۔ شیفتہ کا اُردو دیوان چھپ چکا ہے، اُنہوں نے اُردو شاعروں کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا جس کا نام "گلشنِ بے خار" ہے، اور وہ اُردو شاعروں کے حالات میں بہت مستند تذکرہ سمجھا جاتا ہے۔ آخر عمر تک غالبؔ سے ان کی دوستی قائم رہی، غالبؔ نے بھی ان کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا۔ شیفتہ نے ۱۸۶۹ء میں وفات

پائی۔

مولانا فضلِ حق خیرآبادی

ایک بہت بڑے عالم تھے۔عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم میں ان کی قابلیت ہر ایک کو تسلیم تھی، فلسفہ اور منطق میں بہت ماہر تھے، ان کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی بھی بڑے زبردست عالم تھے۔ مولانا فضل حق نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی تھی پھر شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد ہوئے اور انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی، دہلی میں حکومت کی طرف سے عدالت کے سرشتہ دار تھے۔ غالبؔ کے گہرے دوستوں میں تھے، غالبؔ کو جن لوگوں کی صحبت سے علمی و ادبی فائدے پہنچے ان میں مولانا فضل حق کا نام سرفہرست ہے، وہ غالبؔ کو شعر و شاعری کے سلسلہ میں مناسب مشورے دیتے تھے، ان کو آسان اور عام فہم شعر کہنے کی ہدایت کرتے تھے اور غالبؔ ان کی بات مانتے تھے۔ اور مولانا کا بہت احترام کرتے تھے، مولانا فضل حق ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کی مخالفت کے الزام میں گرفتار ہو گئے تھے اور ان کو عمر قید کی سزا دیکر جزائر انڈمان (جو کالا پانی کہلاتا تھا) بھیج دیا گیا، جہاں ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو وفات پائی۔

غالبؔ کو مولانا کی سزائے قید کا بڑا غم تھا اور برابر ان کے حالات معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ جیسا کہ ان کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے۔

مُفتی صدرُالدین آزردہ

مفتی صاحب بڑے زبردست عالم اور فاضل آدمی تھے غالبؔ کے زمانے میں علم و ادب میں جو چند آدمی بہت مشہور ہوئے، ان میں مُفتی آزردہ بھی ہیں، ان کے والد کشمیر سے دہلی آگئے تھے، اور تجارت کرتے تھے، مفتی صاحب دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سے تعلیم حاصل کی جو اس عہد کے سب سے بڑے بزرگ اور عالم تھے۔ مولانا فضل امام خیرآبادی سے بھی پڑھا۔ انگریزی حکومت نے آپ کو دہلی کا صدر الصدور بنا دیا، یہ اعلیٰ عدالتی عہدہ تھا۔ دہلی کے بڑے معزز لوگوں میں تھے، فارسی کے بڑے ادیب اور شاعر بھی تھے، غالبؔ سے دوستانہ تعلقات تھے، دہلی کی عِلمی محفلوں کی رونق تھے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں حصّہ لینے کے الزام میں ان کی جائداد ضبط کر لی گئی تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۸۶۸ء میں بمقام دہلی وفات پائی۔ غالبؔ کو ان سے بہت محبّت اور عقیدت تھی۔ ان کی وفات پر

غالب کو بہت دکھ ہوا۔

سر سیّد احمد خاں

علی گڈھ مُسلم یونیورسٹی کے بانی، سر سیّد احمد خاں اور ان کے خاندان کے اور لوگوں سے غالب کے اچھے تعلقات تھے، سر سیّد غالب کی بہت عزت کرتے تھے، انہوں نے اپنی کتاب "آثار الصنادید" میں دہلی کی جن مشہور شخصیتوں کا حال لکھا ہے، ان میں مرزا غالب بھی شامل ہیں۔ غالب نے سر سید کی ایک کتاب پر تقریظ لکھی تھی، اس میں ان کے کام پر نکتہ چینی کی تھی جو سر سید کو ناگوار گذری اور تعلقات میں کدورت آگئی تھی۔ مگر جب غالب رام پور سے واپسی پر ۱۸۶۰ء میں مراد آباد گئے اور سر سیّد کے مہمان ہوئے تو دلوں کی صفائی ہوگئی تھی۔ سر سیّد اس زمانہ میں مراد آباد کے صدر الصدور تھے۔

مولانا امام بخش صہبائیؔ سے بھی غالب کے دوستانہ مراسم تھے صہبائی فارسی زبان کے بڑے فاضل تھے اور دِلّی کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے، ان کی بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی مرزا غالب کے دوست موجود تھے، جن سے ان کے اچھے تعلقات تھے، رام پور میں امیر مینائی، کلکتہ میں نواب علی اکبر خاں، مولوی سراج الدین

احمد، جن کے نام غالب کے فارسی خطوط سب سے زیادہ ہیں۔

لکھنؤ میں شیخ امام بخش ناسخ سے ان کے اچھے تعلقات تھے، اور مفتی محمد عباس سے غالب کو گہری عقیدت تھی، آخر زمانہ میں منشی نول کشور سے بھی غالب کے اچھے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے، اور منشی نولکشور نے غالب کی کتابیں اپنے مطبع سے شائع کی تھیں۔

ان کے علاوہ مرزا کے اور بھی بہت سے دوست احباب تھے۔

غالب کے شاگرد

مرزا غالب کے ایسے شاگردوں کی تعداد بہت ہے جو ان سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے، ان میں بعض شاگردوں سے دوستانہ انداز میں ملتے تھے۔ غالب کے شاگردوں میں بہادر شاہ ظفر اور نواب یوسف علی خاں والئی رام پور اور بعض دوسرے رئیس بھی تھے۔ غالب اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح کر دیتے تھے، بس ان کی شرط یہ تھی، جو اشعار ان کے پاس بھیجے جائیں صاف اور خوشخط لکھے ہوں اور دو سطروں کے بیچ میں اتنی جگہ خالی رہے کہ اس میں اصلاح والے الفاظ لکھے جا سکیں — وہ شاگردوں کو الفاظ و محاورات کے متعلق ضروری اور مفید باتیں بھی لکھ دیتے تھے تا کہ پھر ان سے غلطی نہ ہو اور ان کے علم میں اضافہ

ہو، شاگردوں کے اچھے اشعار پر ان کی تعریف بھی کرتے تھے۔

غالبؔ کے چند مشہور اور اچھے شاگردوں کے نام یہ ہیں۔ ان میں سے اکثر علمی دُنیا میں بہت عزّت اور شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

میر مہدی مجروحؔ، غلام حسین قدرؔ بلگرامی، مُنشی ہر گوپال تفتہؔ نواب مُصطفیٰ خاں شیفتہؔ، شاہ عزیز صفی پوری، ———— سخنؔ دہلوی، مردان علی خاں رعناؔ، عبدالغفور سرورؔ، مولانا الطاف حسین حالیؔ۔

بڑھاپا اور بیماریاں

آخر عمر میں غالبؔ کئی بیماریوں میں مبتلا رہے، پہلے سے بھی ان کو کچھ مرض لاحق تھے، پیشاب کی زیادتی اور قبض کی تکلیف پُرانی تھی ۱۸۵۸ء میں درد قولنج میں مبتلا ہوئے، یہ درد آخر عمر تک تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد ہو جاتا تھا۔ ۱۸۶۲ء کے بعد سے جسم کو پھوڑے اور پھُنسیوں کا روگ لگا، جو اِن کے لئے بڑی تکلیف کا سبب بنے رہے، اسی طرح کچھ اور شکایتیں بھی تھیں، اپنی صحت کے متعلق مولوی حبیب اللہ ذکا کو ایک خط میں لکھا تھا کہ :-

"میرے محب، میرے محبوب، تم کو مری خبر بھی ہے، آگے ناتواں تھا، اب نیم جان ہوں، آگے بہرہ تھا، اب اندھا ہوا چاہتا ہوں، ...... رعشہ وضعف بصر

جہاں چار سطریں لکھیں اُنگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں، حروف سو جھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا، بہت جیا، اب زندگی برسوں کی نہیں، مہینوں اور دنوں کی ہے[1]

غالب کو شراب پینے کی بُری عادت شروع سے تھی، اس نے بھی ان کی صحت بگاڑنے میں مدد کی۔

آخر زمانہ میں رام پور کا جو سفر کیا تھا، اس میں ان کو راہ میں بہت تکلیف پہنچی اور اس کا اثر صحت پر پڑا، اس کے بعد مسلسل بیمار رہے، آمدنی کی کمی کے باعث حسب خواہش اچھی غذا سے بھی محروم رہے، کُل ایک سو باسٹھ روپے کی آمدنی اور تین سو کا خرچ تھا اس لئے قرضدار ہوتے جاتے تھے اس کی فکر نے بھی صحت پر بُرا اثر ڈالا، کانوں سے تو بہت عرصہ پہلے بہرے ہو گئے تھے، ہاتھوں میں رعشہ تھا، باہر آنا جانا بند ہو گیا تھا، بس گھر میں پلنگ پر پڑے رہتے تھے۔

بیماری میں غذا

بیماری کے زمانہ میں غذا کم کھاتے تھے، جو کچھ اور جس طرح کھاتے تھے اس کا حال خود غالب کی زبانی سُنئے:۔

---

[1] اُردوئے معلّٰی صفحہ ۲۸۔

"اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ ہے،
بہتّرواں برس شروع ہوا، غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ
قند کے شربت کے ساتھ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا
پانی، قریب شام کبھی تین تلے ہوئے کباب، چھ گھڑی رات
گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر
اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اٹھ نہیں سکتا، اگر دونوں
ہاتھ ٹیک کر، چار پایہ بن کر اٹھتا ہوں تو پنڈلیاں لرزتی
ہیں[1]۔

بیماری اور کمزوری میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا، ان کو اس
بات کا یقین ہونے لگا کہ اب آخری وقت قریب آگیا ہے، اسی لئے
اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ع

دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے
عزیزو، اب اللہ ہی اللہ ہے

وفات

وفات سے چند روز قبل غشی کے دورے پڑنے لگے تھے،
مرنے سے ایک روز قبل کچھ ہوش آیا تو کھانا کھانے کی خواہش ظاہر

---

[1] اُردوئے معلّیٰ صفحہ ۳۲ خط بنام ذکا۔

کی۔ مگر تھوڑی دیر بعد بے ہوش ہو گئے۔ حکیم احسن اُللہ خاں بُلائے گئے، انھوں نے دیکھ کر بتایا کہ دماغ پر فالج گرا ہے، دوا دی گئی مگر تکلیف بڑھتی گئی اور بے ہوش رہے، اسی حالت میں دوسرے دن ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء دوشنبہ کے دن وفات پائی۔ اس طرح اُردو فارسی کے آسمان کا ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا۔

نمازِ جنازہ

غالب خاندانی اعتبار سے سُنّی تھے لیکن عقائد کے لحاظ سے شیعہ سمجھے جاتے تھے۔ نمازِ جنازہ اور دفن کے سلسلہ میں کچھ اختلاف ہوا، کہ اہلِ سُنّت کے طریقہ پر ہو یا شیعہ مسلک کے مطابق، مگر نواب ضیاءالدین احمد موجود تھے، اس لئے ان کے اصرار پر اہلِ سُنّت کے طریقہ پر نماز ہوئی اور دفن کئے گئے۔

قبر

غالب کی قبر درگاہ نظام الدین اولیاء کے قریب خاندانِ لوہارو کے خاندانی قبرستان میں بنائی گئی۔ جو چونسٹھ کھمبا کے قریب ہے، بعد میں دہلی کے معززین اور اہلِ علم نے غالب کی قبر کو پختہ کرایا اور چہار دیواری بنوا دی۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد مولانا ابوالکلام کی کوششوں سے

غالبؔ کی قبر نہایت خوبصورت اور شاندار بنادی گئی۔ اور اب اس کے قریب ہی ان کی صد سالہ یادگار کے سلسلہ میں غالب اکیڈمی کی شاندار عمارت تعمیر ہو گئی ہے۔ جس میں غالبؔ سے متعلق تحقیقی کام بھی ہو گا اور ایک اچھا کتب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے۔

غالبؔ کی وفات پر ان کے شاگردوں نے مرثیئے لکھے اور پُراثر انداز میں اپنے رنج و غم کا اظہار کیا، ان میں حالیؔ کا مرثیہ بہت مشہور ہے۔

غالبؔ کے مزار پر سنگ مرمر کی جو تختی لگی ہے اس پر ان کے شاگرد میر مہدی مجروحؔ کا لکھا ہوا یہ قطعہ کندہ ہے۔

رشکِ عرفیؔ و طالبؔ مُرد
اسداللہ خاں غالبؔ مُرد

کل میں غم و اندوہ میں باخاطرِ محزوں
تھا تُربتِ استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروحؔ
ہاتف نے کہا "گنج معانی ہے تہِ خاک"

۱۲۸۵ ہجری

اخلاق و عادات

غالبؔ بہت خوش اخلاق انسان تھے، ان کی بات چیت میں شوخی اور ظرافت ہوتی تھی، اپنے چھوٹوں کا بہت خیال رکھتے تھے، اور بڑوں کی عزّت کرتے تھے، طبیعت میں بلا کی تیزی تھی، ہر بات کا جواب برجستہ اور مناسب دیتے تھے، جو کچھ دل میں ہوتا اس کو زبان سے کہہ دیتے تھے، جسے کبھی لوگ بُرا بھی مانتے تھے، اِن کی گفتگو بہت دلچسپ ہوتی تھی، جیسا کہ ان کے شاگرد رشید مولانا حالیؔ نے مفصل لکھا ہے، دورانِ گفتگو میں دلچسپ لطیفے بھی بیان کرتے تھے، وہ اپنے شاگردوں اور رشتہ داروں سے بہت محبت کرتے تھے اور ہر بات صاف صاف کہہ دیتے یا لکھ دیتے تھے، جیسا کہ ان کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے، ان کی عادت تھی کہ اپنی رائے کے مقابلہ میں دوسرے کی رائے کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اپنی قابلیت اور واقفیت پر ان کو کسی حد تک غرور تھا، اسی لئے بعض باتوں میں چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں وہ اپنی ہٹ پر قائم رہتے تھے، اگر غالبؔ شراب خوری اور جوئے کی بُری عادتوں میں مبتلا نہ ہوتے تو وہ ایک انسان .....

کی حیثیت سے بھی بہت بلند ہوتے۔

خودداری

غالب میں خودداری بھی موجود تھی، مگر مالی پریشانیوں نے ان کو خوشامد و چاپلوسی پر مجبور کیا اور وہ امیروں، وزیروں اور رئیسوں کی مبالغہ آمیز تعریفیں کرنے لگے، انگریز حکام کی خوشامد میں اس حد تک بڑھ گئے کہ بات بات پر قصیدے لکھے اور دل کھول کر ان کی تعریف کی، اور انگریزی تہذیب اور معاشرت کو سراہا۔ بخلاف اس کے ہندوستانی معاشرت اور یہاں کے طور طریقوں کی بُرائی کرتے تھے، ہندوستانیوں پر انگریزوں کی برتری ثابت کرنے کی کوشش بھی کی اور یہ ساری باتیں حالات کے رُخ کو دیکھ کر کی ہوں گی۔ ان کے سامنے سب سے بڑا معاملہ روپیہ اور اعزاز کا تھا۔ اور یہ دونوں چیزیں انگریزوں ہی کی خوشامد سے حاصل ہو سکتی تھیں۔ ممکن کیا بلکہ یقین ہے کہ غالب کے دل میں وطن اور اہل وطن کے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات ہوں گے مگر زبان اور قلم سے انھوں نے حب الوطنی کا کوئی ثبوت نہیں دیا، ۱۸۵۷ء کی تحریک جنگ آزادی میں انگریزوں کی طرفداری کی اور اہل وطن کی جد و جہد کو غداری قرار دیا۔ یہ ان کی زندگی کا تاریک گوشہ ہے جسے بعض لوگ غلط تاویلیں کرکے روشن کرنا چاہتے ہیں مگر غالب کے قلم نے جو کچھ

لکھا ہے، پہلے اس کو غلط ثابت کرنا پڑے گا جو ممکن نہیں ـــــ دہلی کی تباہی اور شرفاء کی بربادی پر غالب نے اظہارِ افسوس ضرور کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کا ذمہ دار اپنے ہم وطنوں کو قرار دیا ہے۔

مرزا غالب بحیثیت شاعر اور انشا پرداز، ہمارے لئے قابلِ فخر ہیں، ان کے علمی و ادبی کارناموں نے انہیں زندۂ جاوید بنا دیا، لیکن بحیثیت ایک انسان اور ہندوستانی شہری ہونے کے تعلق سے انہوں نے پست ہمتی کے جذبات ظاہر کیئے اور اخلاقی قدروں کو پامال کیا۔ اس دھبہ کو دھو کر صاف نہیں کیا جا سکتا۔

حُسنِ اخلاق

غالب خوش اخلاق تھے، جو شخص ملاقات کے لئے آتا اس سے اچھی طرح ملتے تھے، اپنے دوستوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے غریبوں اور محتاجوں کی اِمداد کرتے تھے۔ کوئی بھکاری ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ اکثر غریب احباب اور اعزاء کی مدد اپنی تنگدستی کے باوجود کرتے تھے، جو کوئی ان سے کِسی قسم کی مدد چاہتا اس کے لئے تیار ہو جاتے ـ ان کے زمانے میں اور بڑے بڑے شاعر تھے جو اِن سے حسد کرتے تھے، غالب نے کبھی کِسی پر گندگی نہیں اُچھالی۔ مزاج میں مُروّت بہت تھی،

بیماری میں بھی شاگردوں کا کلام دیکھ کر واپس کرتے تھے۔

غالب نے دوسرے شاعروں کی طرح کسی کی ہجو نہیں لکھی، ان کے پورے اُردو دیوان میں ہجو کے چند نہایت معمولی اشعار ملتے ہیں۔

مذہب

خاندانی اعتبار سے سُنّی تھے، لیکن ان کی تحریروں سے جو عقائد ظاہر ہوتے ہیں ان کے مطابق شیعہ تھے، وہ مذہبی معاملات سے بہت کم دلچسپی رکھتے تھے، تعصب ان میں بالکل نہ تھا، ہندو مُسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے تھے، انہوں نے خود لکھا ہے۔ "میں تو بنی آدم کو ہندو یا مسلمان یا نصرانی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔"

مرزا غالب کا حلیہ اور لباس

غالب نہایت اچھے ڈیل ڈول کے آدمی تھے، جوانی میں شہر کے خوبصورت لوگوں میں شمار ہوتے تھے، چہرہ مُہرہ نہایت دلکش تھا۔ جس کا اندازہ ان کی بُڑھاپے کی تصویر سے بھی ہوتا ہے مرزا کا قد لانبا، جسم سڈول اور چہرہ کتابی تھا۔ پیشانی چوڑی تھی، آنکھیں بڑی بڑی اور پلکیں گھنی تھیں، رنگ سُرخ و سفید تھا،

اور کیوں نہ ہوتا جب وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو سرزمین توران سے آیا تھا جہاں کے باشندے صحت وطاقت اور مردانہ حسن کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔

غالب جوانی میں ڈاڑھی منڈواتے تھے، مگر جب بالوں میں سفیدی آگئی تو انہوں نے ڈاڑھی رکھ لی، مگر بہت بڑی نہیں، قد لمبا تھا مگر بڑھاپے میں کمر ذرا جھک گئی تھی، کپڑے بچپن ہی سے نہایت اچھے اور صاف ستھرے پہنتے تھے، اور آخر عمر تک لباس کے معاملہ میں اپنی نفاست پسندی کو نہیں چھوڑا،

گھر میں عام طور پر وہ لباس پہنتے جو دہلی کے رئیس اور معزز لوگ پہنا کرتے تھے، یعنی ایک بر کا پائجامہ، کھلی آستین کا کرتا یا انگرکھا، سر پر ململ کی گول ٹوپی جس پر کامدانی یا کشیدہ کاری کا کام ہوتا تھا۔ جاڑے کے دنوں میں گرم کپڑے کا کلی دار پائجامہ اور مرزئی (روئی دار) پہنتے تھے۔

جب گھر سے باہر جاتے تو تنگ مہری کا پائجامہ (چوڑی دار) کرتا اور اس پر جامہ وار کے کپڑے کی اچکن۔ اور سب سے اوپر کسی اچھے اور خوبصورت اور قیمتی کپڑے کا چغہ پہنا کرتے تھے۔ اور ہاتھ میں ایک چھڑی بھی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی شال کا رومال بھی کاندھے پر ڈال لیتے تھے، اور سر پر پوستین کی چوگوشیہ ٹوپی یا کلاہ پاپاخ پہنتے تھے، یعنی وہ اونچی سیاہ ٹوپی جو غالب کی سب

سے زیادہ رائج اور پسندیدہ تصویر میں نظر آتی ہے۔ بہرحال غالبؔ بڑے جامہ زیب تھے اور ہمیشہ اچھا لباس پہنتے تھے۔....

کھانے پینے کا شوق

غالبؔ کو اچھے کھانوں کا شوق تھا۔ ان کی سب سے زیادہ پسندیدہ غذا گوشت تھی۔ دنبے اور بکرے کا گوشت پسند کرتے تھے اور کھانے پر گوشت ہر روز ضرور ہوتا تھا۔ کباب کا بہت شوق تھا۔ ترکاریاں کم استعمال کرتے تھے۔ گوشت، کباب اور دوسرے کھانوں میں چنے کی دال ضرور ڈلواتے تھے اور چنے کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ دوپہر کے کھانے میں آدھ سیر گوشت ضرور ہوتا تھا۔ جب عمر بڑھی اور معدہ کمزور ہو گیا تو پھر مقدار کم ہو گئی۔ رات کو کھانا عموماً نہیں کھاتے تھے، صحت خراب ہوئی تو روٹی اور چاول کھانا چھوڑ دیا تھا۔ صرف دن کے کھانے میں سیر بھر گوشت کی یخنی اور تین چار شامی کباب کھا لیتے تھے۔ ان کی غذا کا حال خود ان کے خطوط میں تفصیل سے ملتا ہے۔ پھلوں میں آم سب سے زیادہ پسند تھا اور انگور بھی بہت مرغوب تھا۔ آم کی غالبؔ نے نظم و نثر دونوں میں بہت تعریف کی ہے۔ ان کو بنگال کے آم بہت پسند آئے۔ سفر کلکتہ کے زمانے میں ان کو بنگال کے آم کھانے کا موقع ملا تھا۔ دوست احباب ان کو بطور تحفہ آم بھیجا کرتے تھے۔

غالبؔ حقّہ بھی پیتے تھے اور بڑے اہتمام سے دن میں کئی بار حقّہ

بھر دلتے تھے۔ البتہ پان نہیں کھاتے تھے۔

شراب کی عادت

غالب ابتدا ہی سے شراب پینے لگے تھے، اس بُری عادت نے ان کی صحت خراب کردی، چاہتے تھے کہ اچھی ولایتی شراب ملے۔ اور اس کے لئے شاگردوں اور بعض دوستوں سے مدد لیتے تھے، مگر کھلے عام پینے کی عادت نہ تھی۔ شروع میں تو کئی کئی بار پیتے تھے مگر جب لوگوں نے سمجھایا اور صحت پر برُا اثر پڑا تو پھر بار بار پینا ترک کردیا صرف رات میں پی لیا کرتے تھے۔ مقدار بھی کم کردی تھی۔ آخر زمانہ میں شراب کی تیزی کم کرنے کے لئے اس میں عرق گلاب ملا لیتے تھے۔

بعض حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کو اس بُری عادت کا احساس اور افسوس تھا مگر عادت ایسی پختہ ہوگئی تھی کہ چھوڑنا مشکل تھا۔ اور آخر عمر تک پیتے رہے۔

غالب کی قیام گاہیں

مرزا غالب کے مکانوں کے متعلق پہلے بتایا جاچکا ہے۔ جب وہ ابتدا میں دہلی آئے تو اپنی سسرال میں رہے جو گلی قاسم جان محلہ بلی ماران میں تھی۔ پھر انہوں نے جامع مسجد کے قریب اپنے لئے الگ کرایہ کا مکان لے لیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد پھاٹک حبش خاں میں مکان لیا۔ مکان بدلنا

ان کی عادت میں داخل تھا۔ وہ اچھا اور صاف ستھرا مکان پسند کرتے تھے۔
جب کلکتہ کے سفر سے واپس آئے تو محلہ کھاری باؤلی میں نواب عبدالرحمٰن خاں کی حویلی میں قیام کیا۔ اس کے بعد محلہ بلی ماران میں چلے گئے اور آخر عمر تک اسی محلہ کے کئی مکانوں میں رہے۔ ان کا کوئی ذاتی مکان نہ تھا ساری عمر کرایہ کے مکانوں میں گذار دی۔

مانگ کر کتابیں پڑھنا

غالب کا پسندیدہ مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا۔ ایک بڑے شاعر اور ادیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اچھی کتابیں پڑھے۔
مرزا کو کتابیں پڑھنے کا بیحد شوق تھا۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ کبھی قیمت دیکر کوئی کتاب خریدتے نہیں تھے، بلکہ مانگ کر پڑھ لیتے تھے۔
کرایہ پر بعض کتب فروشوں سے لیا کرتے تھے اور پڑھ کر واپس کر دیا کرتے۔ اسی لئے ان کا اپنا کوئی کتب خانہ نہیں تھا، نہ وہ کتابوں کی خریداری پر ایک پیسہ خرچ کرتے۔ دوست احباب ان کو بطور تحفہ کتابیں دیا کرتے تھے۔ مگر غالب سے جس نے کوئی کتاب مانگی دے دیتے اور عموماً واپس نہیں لیتے تھے۔

اخبار دیکھنا

غالب کو ملکی اور سیاسی حالات سے بھی دلچسپی تھی۔ اس لئے وہ

اخبارات ضرور پڑھتے تھے۔ دہلی سے جو اخبارات نکلتے تھے ان کو دیکھتے اور ملک کے دوسرے بڑے شہروں کے اخبارات بھی منگواتے تھے۔ "دہلی اُردو اخبار" دہلی سے نکلتا تھا غالب اس کو پڑھتے تھے، لکھنؤ سے "اودھ اخبار"، منگواتے تھے۔ اور اس کا چندہ سالانہ پابندی سے ادا کرتے تھے[1]۔ غالب اس زمانہ کے حالات سے باخبر رہتے اور بعض معاملات کے متعلق اخباری مراسلات بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کے دو مراسلے اودھ اخبار ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئے تھے[2]۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایڈیٹر کے نام خطوط لکھا کرتے تھے، جیسا کہ آج کل رواج ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے ملک اور پڑوسی ملکوں کے حالات سے دلچسپی تھی۔

بات چیت کا انداز

غالب بڑے زندہ دل، حاضر جواب، اور ظرافت پسند انسان تھے ان کی گفتگو دلچسپ ہوتی تھی۔ بے تکلف دوستوں کی محفل میں وہ سب

---

[1] اودھ اخبار ماہ مارچ ۱۸۶۲ء کے دوسرے شمارے میں چندہ دینے والوں کی جو فہرست شائع ہوئی تھی اس میں مرزا غالب کا نام بھی ہے۔ ان کے نام کے سامنے تین روپیہ وصول درج ہے۔ فائل اودھ اخبار ۱۸۶۲ء (مملوکہ نورانی)

[2] یہ مراسلات میں نے اپنے خطبے کے ساتھ اُردو ادب علی گڑھ میں شائع کرا دیے تھے۔ (نورانی)

پر اپنا رنگ جما لیتے تھے۔ ان کی بات چیت میں ہنسی دلگی کی باتیں ضرور ہوتی تھیں، اس لئے سُننے والے کو اُکتاہٹ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی بات پوچھتا تو فوراً مناسب جواب دیتے، علمی، ادبی سوالوں کے جواب بھی بڑے دلچسپ انداز میں دیتے تھے، ایک بار کسی محفل میں بحث ہو رہی تھی کہ رتھ مذکر ہے یا مؤنث ؟ تو غالب نے کہا " اگر رتھ میں عورتیں بیٹھی ہیں تو مؤنث اور اگر مرد بیٹھے ہوں تو مذکر ہوگا۔ حالانکہ یہ لفظ کی صحت کا معاملہ تھا۔ مگر غالب نے اپنی فطری ظرافت کی وجہ سے یہ جواب دیا۔ بعد میں اپنے ایک شاگرد کے پوچھنے پر سنجیدگی سے بتا دیا کہ رتھ مذکر ہے غالب کو اُردو، فارسی میں مہارت حاصل تھی، تمام ضروری علوم اور آداب مجلس کے علم سے واقف تھے، اس لئے جس محفل میں بیٹھ جاتے اسے باغ و بہار بنا دیتے تھے۔

ظرافت اور لطیفے

غالب کی طبیعت میں ظرافت بہت تھی۔ ایک طرف وہ مالی پریشانیوں اور دوسری فکروں میں پریشان رہتے تھے، مگر دوسری طرف ہنسی مذاق کی باتیں بھی کرتے تھے، یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ ان کو کوئی پریشانی بھی ہے، بلکہ بے فکرا پن ظاہر ہوتا تھا۔

مولانا حالی نے " یادگار غالب " میں ان کے بہت سے لطیفے لکھے ہیں جو بے حد دلچسپ ہیں۔ اسی طرح محمد حسین آزاد نے " آبِ حیات "

میں ان کے لطائف بیان کئے ہیں۔ جن کو بعض اہل قلم نے الگ کتابی صورت میں شائع بھی کیا ہے۔

یہاں غالب کے چند لطیفے لکھے جا رہے ہیں جن سے ان کی طبیعت اور ذہانت کا اندازہ ہوگا۔ حالی نے لکھا ہے کہ غالب زیادہ نہیں بولتے تھے لیکن جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا وہ لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔

لطیفہ:۔ ایک دفعہ بعد رمضان شریف غالب قلعہ میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا تم نے کتنے روزے رکھے؟ جواب دیا۔ پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔

لطیفہ:۔ ایک بار آموں کی فصل میں بہادر شاہ ظفر باغ میں ٹہل رہے تھے۔ کچھ لوگ ساتھ تھے جن میں غالب بھی تھے۔ آموں کے پیڑ طرح طرح کے آموں سے لدے ہوئے تھے۔ یہاں کے آم بادشاہ اور بیگموں کے لئے مخصوص تھے۔ غالب بار بار آموں کو بہت غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟ غالب نے برجستہ جواب دیا۔ پیر و مرشد کسی بزرگ نے جو کہا ہے ہر دانہ میں اس کے حصہ دار کا نام صاف لکھا ہوتا ہے اس کو دیکھتا ہوں کہ میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں۔ بادشاہ مسکرائے، واپسی پر اسی دن عمدہ آموں کی ایک بہنگی مرزا غالب کے گھر بھجوا دی۔

لطیفہ:۔ ایک بار مرزا غالب کے ایک دوست سردار مرزا ان سے ملنے آئے، شام کا وقت تھا تھوڑی دیر ٹھہر کر جانے لگے تو غالب خود ہاتھ

میں شمع دان لیکر فرش کے کنارے تک آئے تاکہ روشنی میں جوتا دیکھ سکیں۔ دوست نے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی میں اپنا جوتا پہن لیتا۔ مرزا نے جواب دیا میں تو شمع دان اس لئے لایا ہوں کہ آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔

لطیفہ:۔ جب مرزا غالب قید سے چھوٹ کر آئے تو کالے شاہ صاحب کے مکان میں آکر رہے تھے۔ ایک روز شاہ صاحب کے پاس بیٹھے تھے کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارک باد دی۔ غالب نے کہا "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے؟ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔"

لطیفہ:۔ غالب کے ایک دوست حکیم رضی الدین خاں کو آم پسند نہ تھے۔ ایک دن وہ غالب کے مکان کے برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ایک گدھے والا گدھے لیکر اُدھر سے گذرا۔ راہ میں آم کے چھلکے پڑے تھے ایک گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیئے۔ حکیم صاحب نے غالب سے کہا دیکھئے آم ایسی چیز ہے کہ جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ غالب نے کہا۔ "ہاں گدھا آم نہیں کھاتا۔"

غالب بحیثیت شاعر

ہندوستان کے علاوہ دنیا کے بعض دوسرے ملکوں میں بھی مرزا غالب کو جو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ وہ محض ان کی اُردو شاعری کی بدولت ہے، غالب نو دس برس کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، اُردو میں کم اور فارسی

فارسی میں زیادہ۔

جس زمانے میں غالب کی شاعری کو شہرت حاصل ہوئی اس وقت فارسی زبان کا رواج ہندوستان میں بہت کم ہو گیا تھا اور اُردو زبان عام طور سے مقبول ہو رہی تھی۔ غالب کو اپنی فارسی شاعری پر فخر اور ناز تھا، اپنے اُردو کلام کو انہوں نے اپنا مجموعۂ بیرنگ کہا ہے۔ ان کا ایک فارسی شعر ہے ؎

فارسی بین، تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اُردو کہ بے رنگِ من است

میرے فارسی کلام کو پڑھو اور دیکھو جس میں تمہیں ہر رنگ کے ادبی بیل بوٹے نظر آئیں گے۔ یعنی خوبصورت الفاظ، اچھے معنی، طرح طرح کے عمدہ خیالات وغیرہ،

میرے اُردو کلام کو چھوڑو، اس کا کیا ذکر وہ تو میرا بے رنگ کلام ہے۔ میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

غالب اپنے جس اُردو کلام کو معمولی اور بے رنگ کہہ گئے اسی نے ان کی شہرت کو چار چاند لگائے، اور ان کا اُردو کلام اُردو کے تمام بڑے بڑے شاعروں کے کلام سے بہتر ثابت ہوا۔ اس میں اتنی دلکشی اور ایسی خوبیاں ہیں، لوگ پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ ہر پڑھنے والے کو اس میں اپنے دل کی باتیں نظر آتی ہیں۔ اُردو کے ایک مشہور ادیب ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے اسی لئے لکھا تھا کہ:۔

"ہندوستان کی دو الہامی (خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی) کتابیں ہیں۔
ایک وید مقدس (ہندوؤں کی بڑی مذہبی کتاب) دوسری، دیوان غالب"
اس سے بڑھ کر غالب کے اُردو کلام کی تعریف کیا ہو سکتی ہے۔

غالب کا اُردو دیوان بہت مختصر ہے۔ مگر اس کا ایک ایک شعر دلکش اور پُر لطف، اور اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی دیوان نے ان کو مشرق اور مغرب میں شہرت عطا کی۔

غالب کا زیادہ سرمایۂ کلام فارسی میں ہے۔ اور بہت بلند کلام ہے، وہ اپنے فارسی اشعار کو ایران کے فارسی شاعروں کے مقابلہ میں پیش کرنا باعث فخر جانتے تھے، اور صرف اہل زبان (جن کی مادری زبان فارسی ہو) کے کلام کو مانتے تھے۔ ہندوستان کے فارسی شاعروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اپنے کو سب سے بہتر سمجھتے تھے، صرف حضرت امیر خسرو دہلویؒ کو اچھا شاعر مانتے تھے۔

غالب نے فارسی کے اہل زبان شاعروں میں نظیری نیشاپوری اور عرفی شیرازی، مرزا صائب تبریزی اور چند اور شاعروں کی تقلید کی کوشش کی، ان کی غزلوں پر غزلیں اور قصیدوں پر قصیدے لکھے اور کہیں کہیں ان شاعروں سے بہتر شعر بھی کہہ گئے۔

ہندوستان کے شاعروں میں امیر خسرو دہلوی، اور نور الدین ظہوری دکنی کو بہت مانتے تھے۔ ظہوری کی تقلید بھی کی اور اس کی تعریف جگہ جگہ کی ہے۔

علمی دنیا میں غالبؔ کے فارسی کلام کو اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
ایران اور افغانستان کے ادیب و عالم اور شاعر غالبؔ کے فارسی کلام
سے متاثر ہونے لگے ہیں۔

غالبؔ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، غزل، قصیدہ،
مثنوی، قطعہ، رباعی سب کچھ ان کے یہاں موجود ہے۔ فارسی کے ہندوستانی
شعراء میں غالبؔ کا مرتبہ واقعی بہت بلند ہے۔

شعر کہنے کا وقت اور طریقہ

غالبؔ پہلے اسدؔ تخلص کرتے تھے، مگر یہ تخلص ایک اور شاعر نے
بھی رکھ لیا تھا۔ بعض لوگ دوسرے اسدؔ کے اشعار کو غالبؔ کے
اشعار سمجھنے لگے، جس سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ وہ شاعر کسی طرح غالبؔ
کا ہم پلّہ نہ تھا۔ غالبؔ نے اس تخلص کو ترک کر دیا اور غالبؔ رکھا۔
غالبؔ اچھے شعر کہتے تھے اور کم کہتے تھے۔ ان کی غزلیں اسی لئے
چھوٹی ہوتی ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے غالبؔ کے حالاتِ زندگی
سب سے پہلے لکھے۔ ان کی کتاب کا نام "یادگارِ غالب" ہے۔ اس
کتاب میں مرزا غالبؔ کی شعر گوئی کے متعلق لکھا ہے:

"فکر شعر کا یہ طریقہ تھا کہ اکثر رات کو عالمِ سرخوشی
میں فکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شعر سرانجام (پورا)
ہو جاتا تھا تو کمر بند میں ایک گرہ لگا لیتے تھے۔۔ اسی طرح

آٹھ آٹھ دس دس گرہیں لگا کر سو رہتے تھے، اور دوسرے دن صرف یاد پر سوچ سوچ کر تمام اشعار قلمبند کر لیتے تھے۔[1]

مشاعروں میں شرکت

غالبؔ دہلی کے خاص خاص مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے اور اپنا کلام بھی سُناتے تھے۔ اس زمانہ میں دلّی کالج میں ہر ماہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ یہ دلّی کالج پہلے غازی الدین حیدر کا مدرسہ تھا جو اجمیری گیٹ کے باہر واقع ہے۔

غالبؔ ان مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ لال قلعہ میں بھی مشاعرے ہوتے تھے، جن میں بہادر شاہ ظفر بھی دلچسپی لیتے اور اپنی غزلیں بھی بھیجا کرتے تھے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ اور مفتی صدرالدین آزردہؔ اپنے مکانوں پر مشاعرے کرتے تھے، اور غالبؔ سے دونوں کے تعلقات تھے اس لئے ان مشاعروں میں بھی کبھی کبھی جایا کرتے تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کتنے مشاعروں میں اور کہاں کہاں شریک ہوئے، ان کے فارسی اور اُردو کے خطوں سے جن مشاعروں میں شریک ہونے کا حال معلوم ہوتا ہے وہ صرف چند ہیں۔ باقی کا حال

---

[1] یادگارِ غالب صفحہ ۵۸، ۵۹۔

نہیں معلوم، مگر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اور مشاعروں میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔ غالب اپنا کلام لکھ کر بہت کم محفوظ رکھتے تھے، ان کے احباب اور شاگرد لکھ لیتے تھے اگر ایسا نہ کرتے تو غالب کا یہ قیمتی سرمایہ جو ہمیں ملا ہے اس سے محروم رہتے۔

شعر پڑھنے کا انداز

مرزا غالب بڑے دلکش انداز میں شعر پڑھتے تھے، آواز میں درد اور اثر تھا، مولانا الطاف حسین حالی نے یادگارِ غالب" میں لکھا ہے کہ انہوں نے صرف ایک بار غالب کو ایک مشاعرے میں غزل پڑھتے ہوئے سُنا تھا۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ جب غالب کی باری آئی تو صبح ہوگئی تھی۔ فرمایا، صاحبو! میں بھی اپنی بھیرویں الاپتا ہوں" یہ کہہ کر درد بھری آواز میں طرحی غزل پڑھی، اس کے بعد فارسی کی ایک غیر طرحی غزل پڑھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پوری محفل مشاعرہ میں کسی کو قدرداں نہیں پاتے، اسی لئے غزل پڑھنے میں فریاد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔

ایک بار بہادر شاہ ظفرؔ نے مرزا غالب کے شعر پڑھنے کی تعریف کی تھی۔ جس کو غالب نے بڑے فخر کے ساتھ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے بیان کیا تھا۔

مخالفت

دہلی میں غالبؔ کے مخالفین کا بھی ایک بڑا گروہ تھا۔ ان کے زمانے کے بعض شاعر بھی ان سے حسد کرتے تھے اور ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ان کے کلام پر طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے تھے مگر غالبؔ ان باتوں کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی مخالفین پر لطیف انداز میں چوٹ کر جاتے تھے۔ ان کی مخالفت شیخ ابراہیم ذوقؔ اور ان کے شاگردوں میں بہت تھی۔ ذوقؔ بادشاہ بہادر شاہ کے استاد تھے اس لئے ان کی عزت زیادہ کی جاتی تھی۔ اور ان کے ساتھ خوشامدی شاگردوں کا ایک بڑا گروہ تھا۔ اور یہ سب غالبؔ پر کسی نہ کسی انداز میں چوٹیں کرتے تھے۔ مگر غالبؔ کی عالی ظرفی تھی کہ سب کچھ برداشت کیا۔ اور ان مخالفتوں سے ان کی طبعی شوخی، ظرافت اور زندہ دلی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

غالبؔ نے اردو میں جدید نثر نگاری کی بنیاد رکھی

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑا شاعر بھی ہو اور ساتھ ہی اتنا ہی بڑا نثر نگار بھی۔ قدرت کی طرف سے ایسی صلاحیت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ مرزا غالبؔ ان خوش نصیبوں میں تھے جن کو شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری میں بھی کمال حاصل ہوا۔ اور اس حد تک

کہ وہ اُردو میں جدید نثر نگاری کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔

غالب نے آسان، عام فہم، صاف و سادہ زبان لکھنے کی طرف پوری توجہ کی، ان کا نثری سرمایہ خطوط کی صورت میں محفوظ ہے۔ غالب سے پہلے عام طور سے کسی نے بھی عام فہم الفاظ میں اچھی، رواں اور شگفتہ اُردو لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اگر کی بھی تو کوئی نیا اسلوب و طرز ایجاد نہ ہو سکا۔

غالب نے اُردو نثر کو ایک نیا موڑ دیا اور اس کے لئے ایک نئی راہ نکالی۔ ان کی کوشش سے زبان صاف، ستھری اور شگفتہ ہو گئی۔ غالب کو اپنے انوکھے طرز تحریر پر ناز تھا۔

غالب نے اُردو خطوط نویسی کا پُرانا طریقہ چھوڑ کر نیا ڈھنگ اختیار کیا۔ انہوں نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لمبے چوڑے القاب و آداب ترک کر دیئے، آسان زبان میں دلچسپ انداز سے خط لکھے۔ خط دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات چیت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ طرز اُردو دنیا میں بے حد مقبول ہوا۔ اس کی تقلید شروع ہو گئی۔

اسی کے ساتھ عام فہم اور شگفتہ عبارتیں لکھنے کا رواج بڑھا۔ اسی کا اثر تھا کہ چند ہی سال میں حالیؔ، شبلیؔ نعمانی، نذیر احمد دہلوی، ابو الکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی اور بعض دوسرے بلند پایہ انشا پرداز پیدا ہوئے۔ اور پھر چراغ سے چراغ جلتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری.....

ہے۔

فارسی نثر نگاری

اُردو کی طرح غالبؔ کے فارسی خطوط بہت ہیں، جو انھوں نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور بعض دوسرے لوگوں کے نام لکھے تھے ان کو فارسی نثر لکھنے میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کی لکھی ہوئی دو کتابیں، مہر نیم روز اور دستنبو فارسی میں ہیں۔ ہندوستان کے فارسی ادیبوں میں غالبؔ سے پہلے کئی باکمال گذرے ہیں جن میں مُلّا نورالدین ظہوری، ابوالفضل، نعمت خان عالیؔ، بیدلؔ بہت مشہور ہیں۔ غالبؔ نے اِن سب کے طرز تحریر سے فائدہ اُٹھایا اور پھر اپنا ایک الگ ڈھنگ نکالا۔ اسی لئے ان کی فارسی نثر میں بھی بہت خوبیاں ہیں، نثر میں خطوط کی تعداد زیادہ ہے۔

غالبؔ کی کتابیں

مرزا غالبؔ نے نظم و نثر میں جو کچھ لکھا اس کو ان کے دوستوں اور شاگردوں نے بڑی محنت سے اکٹھا کیا، غالبؔ کے پاس تو ان کے کلام کی نقلیں بھی محفوظ نہ تھیں، نہ وہ اس کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اس وقت ان کی اُردو فارسی نظم و نثر کا جو قیمتی سرمایہ ہمارے سامنے ہے وہ سب ان کے مخلص دوستوں کی بدولت محفوظ رہا۔ ان میں سے

بعض کتابوں کی ترتیب واشاعت میں غالبؔ نے بھی بہت دلچسپی لی۔
اسی لئے تقریباً سب ہی کتابیں ان کی زندگی میں چھپ گئی تھیں۔

یہاں ہم غالبؔ کی اُردو اور فارسی کتابوں کے نام الگ الگ لکھ رہے ہیں۔

اُردو کتابیں

دیوانِ غالبؔ، اس میں غالبؔ کا تمام اُردو کلام موجود ہے۔ اِن کے کُل اشعار کی تعداد پونے دو ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ دیوان غالبؔ کی زندگی میں کئی بار چھپا اور ان کے بعد سے اب تک لاکھوں کی تعداد میں چھپا، اس کے خوبصورت اور دلکش ایڈیشن بھی نکلے اور بہت خراب بھی، یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس مختصر دیوان نے غالبؔ کو عالمی شہرت عطا کی۔

۲۔ عودِ ہندی — یہ مرزا غالبؔ کے اُردو خطوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ جس کو ان کے شاگرد منشی ممتاز علی میرٹھی اور منشی عبدالغفور سرورؔ نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب غالبؔ کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی — اور ان کے بعد سیکڑوں بار شائع ہوئی — پہلا ایڈیشن ۱۸۶۸ء میں میرٹھ سے شائع ہوا تھا۔

۳۔ اُردوئے معلّٰی — یہ مرزا غالبؔ کے خطوط کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جس میں ان کے تمام خطوط جو ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تک دستیاب

ہوئے شامل ہیں یہ مجموعہ عودِ ہندی سے بڑا ہے اور اس میں عودِ ہندی والے کافی خطوط بھی شامل ہیں۔ اس کی طباعت و اشاعت غالب کی وفات کے بعد ہوئی تھی۔ اس کے بعد کچھ اور خطوں کے اضافے کے ساتھ اس کے بہت سے ایڈیشن چھپے۔

۴۔ مکاتیب غالب :۔ یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو غالب نے رام پور کے نواب یوسف علی خاں اور ان کے بعد کلب علی خاں کے نام لکھے تھے چند خط رام پور کے دوسرے اہل علم کے نام بھی ہیں، کُل ۱۳۰ خطوط ہیں جن کو مولانا امتیاز علی خاں عرشیؔ نے مرتب کر کے شائع کر دیا۔

غالب کے بہت سے خطوط ان مطبوعہ کتابوں میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ بعد میں جن لوگوں کو کچھ خط مل گئے انہوں نے مختصر کتاب کی صورت میں ان کو شائع کر دیا۔ جن کو ایک دو خط ملے انہوں نے کسی اُردو رسالے میں چھپوا دیئے۔ اس طرح اب تک بہت سے خطوط سامنے آئے ہیں اور ابھی تک تلاش اور چھان بین کا سلسلہ جاری ہے۔

۵۔ نکات غالب :۔ غالب نے فارسی زبان کے قواعد پر اُردو میں ایک مختصر رسالہ بھی لکھا تھا۔ جس کا نام 'نکات غالب' ہے۔ یہ صرف ایک یا دو بار سے زیادہ نہیں چھپا۔

۶۔ انتخاب کلام :۔ غالب نے اپنے اُردو فارسی کلام کے دو تین انتخاب بھی کئے تھے۔ اُردو فارسی کلام کا مِلا جُلا ایک انتخاب انہوں نے مولوی سراج الدین احمد کی خواہش پر کیا تھا جس کا نام 'گلِ رعنا' رکھا۔ مگر اس انتخاب کی اشاعت نہ ہو سکی۔ بقیہ دو انتخاب فارسی

نظم و نثر کے ہیں۔

۷۔ قادر نامہ :۔ غالب نے باقر علی خاں اور حسین علی خاں (دونوں عارف مرحوم کے کمسن بچے تھے) کو پڑھانے کے لئے ایک مختصر منظوم رسالہ لکھا تھا اس میں اُردو فارسی کے ہم معنی الفاظ تھے تاکہ بچے آسانی سے الفاظ یاد کر سکیں۔ اس نظم کا پہلا لفظ قادر ہے۔ اس لئے اس کا نام قادر نامہ رکھا گیا ہے۔ بعض اہل علم اس نظم کو غالب کی تصنیف نہیں مانتے۔

فارسی تصانیف

مرزا غالب کی نظم اور نثر کا سب سے زیادہ ذخیرہ فارسی میں ہے، اور تقریباً سب کئی کئی بار شائع ہوا۔ اکثر کتابیں ان کی زندگی میں خود انہیں کی نگرانی میں دو دو تین تین بار شائع ہوئیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ کلیات نظم غالب :۔ فارسی کلام کا مکمل مجموعہ جس میں غزلیں قصیدے، قطعے، رباعیاں، مثنویاں سب شامل ہیں۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۵ء میں مطبع دار السلام دہلی سے چھپا تھا۔ دوسری بار باقی کلام کا اضافہ کر کے مطبع منشی نول کشور لکھنؤ نے ۱۸۶۳ء میں طبع کیا۔ یہ دونوں غالب کی زندگی میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد کلیات نظم نول کشور پریس سے کئی بار چھپ کر شائع ہوا۔ آخری ایڈیشن

۱۹۲۵ء میں نکلا تھا۔ اب ۱۹۶۸ء میں اس کلیات میں تمام متفرق کلام شامل کر کے مکمل کلیات اسی مطبع کے رام کمار سکشن سے شائع ہوا ہے[1]

۲۔ کلیات نثر غالب:۔ یہ غالب کے فارسی خطوط اور تین کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں مہر نیمروز، دستنبو اور پنج آہنگ شامل ہیں۔ جو الگ الگ بھی غالب کے سامنے چھپ چکی تھیں۔ اور پھر یکجا کلیات کی صورت میں مطبع نولکشور لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔

پنج آہنگ میں پانچ آہنگ ہیں۔ پہلے میں خطوں کے لئے القاب و آداب ہیں۔ دوسرے میں فارسی زبان کے مصدر، محاورات اور خاص الفاظ ہیں۔ تیسرے میں ایسے اشعار اپنے کلام سے انتخاب کیئے ہیں جو خط و کتابت میں کارآمد ہوتے ہیں۔ چوتھے میں متفرق نثر کے ٹکڑے ہیں۔ کتابوں کے دیباچے اور تقریظیں وغیرہ، پانچویں میں خطوط ہیں۔

۳۔ مہر نیم روز:۔ یہ خاندان تیموریہ کی نامکمل تاریخ ہے جو غالب نے بہادر شاہ ظفر کی فرمائش پر لکھی تھی۔ یہ پہلی بار ۱۸۵۴ء میں فخر المطابع دہلی سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

---

[1] کلیات نظم غالب مکمل، راقم الحروف نے مرتب کیا تھا جسے راجہ رام کمار پریس وارث مطبع نولکشور لکھنؤ نے آخر ۱۹۶۸ء میں شائع کر دیا۔

۴. دستنبو :- یہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے حالات ہیں۔ جو غالب نے خالص فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہوا عربی زبان کا کوئی لفظ نہیں آنے دیا۔ اس کا پہلا ایڈیشن مطبع مفید خلائق آگرہ نے نومبر ۱۸۵۸ء میں طبع کیا۔ اس کے بعد اور مطابع سے بھی کئی ایڈیشن نکلے۔

۵. قاطع برہان :- ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران غالب نے فارسی کے مشہور لغت برہان قاطع کا مطالعہ کیا۔ اس زمانہ میں وہ گھر کے اندر ہی رہتے تھے۔ یہ لغت محمد حسین تبریزی دکھنی نے لکھا تھا اور بہت مقبول اور مشہور لغت ہے۔ غالب نے اس میں الفاظ و معانی کی بہت سی غلطیاں نکالیں۔ اور ان پر اعتراض کیا۔ اور صحیح الفاظ اور معنی جو خود ان کو معلوم تھے لکھے۔ اس طرح یہ ایک پوری کتاب بن گئی۔ اس کا نام قاطع برہان رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

۶. درفش کاویانی :- قاطع برہان میں کچھ اور اضافے اور ردوبدل کر کے غالب نے اس کا نام درفش کاویانی رکھ دیا۔ یہ کتاب ۱۸۶۵ء میں اکمل المطابع دہلی سے چھپ کر شائع ہوئی۔

۷. سبد چین :- غالب کے فارسی کلام کا انتخاب ہے۔ جس میں مثنوی قصائد، قطعے، رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ یہ اگست ۱۸۶۷ء میں پہلی بار مطبع محمدی سے شائع ہوا۔ دوبارہ متفرق کلام کے اضافے

کے ساتھ جو مالک رام صاحب نے کیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں مکتبۂ جامعہ دہلی سے شائع ہوا۔ اب یہ کلیات نظم مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں شامل کر لیا گیا ہے۔

۸۔ باغِ دودر:۔ یہ غالب کی فارسی نثر و نظم کا انتخاب ہے۔ دودر اسی لئے نام رکھا ہے کہ نثر بھی ہے اور نظم بھی۔ یہ غالب کی زندگی میں مرتب ہو کر کاتب کے سپرد ہو چکا تھا مگر چھپ نہ سکا۔ اب اس کو پروفیسر وزیر حسن عابدی اورینٹل کالج لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ اس مجموعہ کا حصّہ نظم کلیات نظم مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۹۔ دعائے صباح:۔ یہ ایک مثنوی ہے جو عربی کی ایک منظوم دُعا جو حضرت علی سے منسوب ہے۔ اس کا منظوم فارسی ترجمہ ہے۔ غالب نے اپنے بھانجے مرزا عباس بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لکھنؤ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ پہلی بار نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ یہ کتابچہ بھی کلیات نظم فارسی مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں شامل ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ غالب کی نظم اور نثر سے متعلق بہت سی متفرق چیزیں اہل علم کو وقتاً فوقتاً دستیاب ہوئیں جن کو انھوں نے شائع کر دیا۔ جیسے پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب کو ایک قلمی بیاض میں غالب کا کچھ منظوم کلام ملا، جو انھوں نے متفرقات غالب کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن رضا لائبریری رامپور نے شائع کیا تھا اور دوسرا جدید ایڈیشن مزید اضافوں کے ساتھ کتاب نگر

لکھنؤ سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا ہے۔

ماثرِ غالبؔ :- حکیم حبیب الرحمن رئیس ڈھاکہ کے پاس غالبؔ کے کافی فارسی خطوط تھے جو انہوں نے بنگال کے دوستوں کو لکھے تھے۔ ایسے ۳۲ خط حکیم صاحب نے مرتب کر کے شائع کر دیئے ہیں۔

"متفرقاتِ غالبؔ" میں جو منظومات ہیں وہ کلیات جدید مطبوعہ ۱۸۶۸ء میں شامل ہیں۔ ماثر غالب کے نام سے کچھ متفرق اشعار اور نثر فارسی کے ٹکڑے قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر پٹنہ نے جمع کر کے شائع کرائے ہیں۔

فارسی میں غالبؔ کے چند اور رسائل بھی ہیں۔ ان کے فارسی خطوط اور اشعار کی مزید تلاش اب بھی جاری ہے اور کوئی نہ کوئی تحریر برابر کہیں نہ کہیں سے برآمد ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم

غالبؔ کے حالات پر کتابیں

مرزا غالبؔ کے حالات زندگی پر ان کی زندگی میں کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ بعض اخبارات میں ان پر مختصر مضامین جو کسی خاص معاملے سے متعلق ہوتے تھے ضرور شائع ہوئے۔

سب سے پہلی اور اچھی سوانح حیات غالبؔ کے شاگرد رشید مولانا الطاف حسین حالیؔ نے ۱۸۹۷ء میں ان کے انتقال کے عرصہ بعد لکھی جس کا نام "یادگارِ غالبؔ" ہے اور اسی کتاب کی مدد سے غالبؔ شناسی

......کی بُنیاد پڑی ۔ ویسے مصطفٰے خاں شیفتہ نے اپنے تذکرہ "گلشن بےخار" میں اور محمد حسین آزاد نے "آب حیات" میں مختصر حالات لکھے تھے۔ بعض اور تذکروں میں بھی ان کا ذکر تھا۔ حالی کے بعد دوسری سوانح حیات نواب مرزا موتج لکھنوی نے ۱۸۹۹ء میں لکھی جو آب حیات اور یادگار غالب سے ماخوذ ہے۔

غالب کی مکمل اور تحقیقی سوانح عمریاں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غالب نامہ، شیخ اکرام (۲) ذکرِ غالب، مالک رام (۳) غالب، غلام رسول مہر (۴) احوال غالب، مختار الدین آرزو (غالب کے حالات پر متفرق اہل قلم کے مضامین ہیں)

غالب کے اُردو دیوان کی شرحیں

مرزا غالب کا اُردو کلام آسان ہونے کے باوجود بھی ایسا نہیں ہے کہ بغیر کافی غور و فکر کے اس کے مطالب کی تہہ تک ہر ایک پہنچ سکے۔ اس لئے علمی حلقوں میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے کلام کی شرحیں لکھی جائیں تاکہ ان کے مطالب اچھی طرح سمجھ میں آسکیں، یہ کام اچھے بلند پایہ ادیب و شاعر ہی کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں متعدد ارباب ادب نے کلام غالب کی شرحیں لکھیں جن میں سے حسب ذیل بہت مُستند اور مقبول ہیں۔

۱۔ شرح دیوانِ غالب۔ از مولانا سیّد علی حیدر نظم طباطبائی۔ متعدد

بار شائع ہو چکی ہے۔

۲- بیانِ غالب - از آغا محمد باقر دہلوی

۳- شرح دیوان غالب - از حسرت موہانی

۴- کنز المطالب شرح غالب - از ناطق گلاؤٹھوی

۵- مشکلاتِ غالب - نیاز فتحپوری (مکمل شرح نہیں ہے)

۶- شرح غالب - قاضی معید الدین احمد

۷- حل کلیات اردو غالب - احمد حسن شوکت میرٹھی

۸- شرح دیوان غالب - عبد الباری آسی مرحوم

۹- شرح غالب - یوسف سلیم چشتی لاہور

ان کے علاوہ اور بہت سی شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں۔ فرقت کاکوروی نے پورے دیوان غالب کی شرح مزاحیہ انداز میں لکھی ہے جو بے حد دلچسپ ہے۔

دیوان غالب کے خاص ایڈیشن

دیوان غالب مختلف مطابع سے لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے اور برابر چھپ رہا ہے۔ یہاں صرف چند خاص اور صحیح ایڈیشنوں کے نام درج کیئے جا رہے ہیں۔

۱- دیوان غالب - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

۲- دیوان غالب - مرقع چغتائی (مصور)

۳- دیوان غالب ـ برلن ایڈیشن

۴- دیوان غالب ـ تاج کمپنی ایڈیشن۔ لاہور

۵- دیوان غالب ۔ مرتبہ مالک رام صاحب، آزاد کتاب گھر دہلی۔

۶- دیوان غالب مع کلام نسخۂ حمیدیہ، مرتبہ امیر حسن نورانی۔ نولکشور پریس لکھنؤ

۷- دیوان غالب۔ مرتبہ پروفیسر احتشام حسین۔ کتاب نگر لکھنؤ

۸- دیوان غالب (نسخہ حمیدیہ) مطبوعہ آگرہ۔

۹- دیوان غالب (مع ہندی رسم الخط) سردار جعفری، مطبوعہ بمبئی

۱۰- دیوان غالب (مصوّر) مطبوعہ مکتبہ شاہراہ دہلی۔

۱۱- دیوان غالب۔ مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ہند۔ یہ سب سے زیادہ مکمل اور مستند نسخہ سمجھا جاتا ہے۔

مکاتیب غالبؔ

غالبؔ کے خطوط کے دو مجموعے مشہور ہیں۔ "عود ہندی" اور "اُردوئے معلّیٰ" بہت سے خطوط بعد میں دستیاب ہوئے۔ اُردو کے بلند پایہ ادیبوں نے ان کے خطوط کو مختلف طریقوں سے مرتب کرنے کا اہتمام کیا۔ کسی نے علمی ادبی مسائل سے متعلق خطوط یکجا کر دیئے اور ان کو مفید حاشیوں کے ساتھ مرتب کیا۔ کسی نے تاریخی ترتیب سے خطوط مرتب کئے۔ اس طرح غالبؔ کے خطوط پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے چند مستند اور اچھی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مکاتیب الغالب ۔ از احسن مارہروی ۱۹۳۶ء
۲۔ مکاتیب غالب ۔ مولانا عرشی رام پوری ۱۹۴۳ء
۳۔ روحِ غالب ۔ محی الدین قادری زورؔ ۱۹۵۰ء
۴۔ مکاتیب غالب ۔ غلام رسول مہر ۱۹۵۲ء
۵۔ ادبی خطوط غالب ۔ مرزا محمد عسکری لکھنوی ۱۹۳۳ء
۶۔ خطوط غالب ۔ مولوی مہیش پرشاد ۱۹۴۱ء
۷۔ خطوط غالب ۔ مالک رام ۱۹۶۲ء

غالب کے کلام پر تنقیدی کتابیں

غالب کے اُردو کلام پر ہزاروں مضامین اور سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بعض کتابوں میں اُردو فارسی دونوں قسم کے کلام پر نقد و تبصرہ ہے۔ ایسی چند اہم کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محاسن کلام غالب ۔ از عبدالرحمٰن بجنوری
۲۔ افکارِ غالب ۔ خلیفہ عبدالحکیم
۳۔ غالب ۔ خورشید الاسلام
۴۔ غالب فکر و فن ۔ شوکت سبزواری
۵۔ آئینۂ غالب ۔ دفتر ماہنامہ آج کل دہلی
۶۔ نقد غالب ۔ مختار الدین آرزو
۷۔ غالب شناسی ۔ ظ۔ انصاری

۸- غالب ۔ از ڈاکٹر عبداللطیف

۹- مقام غالب ۔ مبارز الدین رفعت

۱۰- جہانِ غالب ۔ کوثر چاند پوری

۱۱- یاد بود غالب ۔ خواجہ احمد فاروقی

۱۲- فرہنگ غالب ۔ امتیاز علی عرشی

۱۳- فلسفۂ کلام غالب ۔ شوکت سبزواری

۱۴- غالب و آہنگ غالب ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں ۔

ان کے علاوہ اور بھی اچھے مصنفین کی مفید کتابیں ہیں۔ مگر سب کی فہرست کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔

غالبؔ شناس اور نقادؔ

غالبؔ کے حالات اور ان کے کلام پر گہری نظر رکھنے والے ادیبوں اور ناقدوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ آغاز تو مولانا حالیؔ نے کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد جن لوگوں نے غالبؔ پر سب سے زیادہ توجہ کی، ان کے حالات کی چھان بین اور ان کے علم و فن کا تجزیہ کیا، ان میں حسب ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور ان کے خیالات و افکار

سے غالب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

حالی ۔ عبدالرحمٰن بجنوری، ابوالکلام آزاد، غلام رسول مہر، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، مالک رام صاحب، پروفیسر احتشام حسین، پروفیسر مسعود حسن رضوی، شوکت سبزواری، خورشید الاسلام، پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر محمد حسن، پروفیسر رشید احمد صدیقی، شیخ محمد اکرام، ڈاکٹر یوسف حسین خاں وغیرہ۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
غالبؔ

انتخابِ اشعارِ غالبؔ

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا
زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی — کیوں ترا راہ گذر یاد آیا
دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے
دم واپسیں بر سرِ راہ ہے — عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے
نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا — نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ تری رہ گذر کو میں
لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے — یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں — نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ — کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے — ذوقِ نظارۂ جمال کہاں؟

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اسقدر یعنی ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا
شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
کس سے محرومئ قسمت کی شکایت کیجے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا بستر کھُلا
کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھُلا
اُسکی اُمت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبدِ بیدر کھُلا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں عُذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی — آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہیں — آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات — سُنتا نہیں ہوں بات مکرّر کہے بغیر
غالبؔ نہ کر حضور میں تو بار بار عرض — ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں — ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملوگے — کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

کوئی دن گر زندگانی اور ہے — اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟ — تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے چاہے جس وقت — میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے مُنہ پہ رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معیّن ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

کھُلتا کسی پہ کیوں مرے دِل کا معاملہ　　شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے　　دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ　　سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

غالبؔ کی زندگی کے خاص واقعات کے ماہ و سال

واقعات	سن	مقام	کیفیت
ولادت	۱۷۹۷ء	آگرہ	۲۷ دسمبر
باپ کی وفات	۱۸۰۲ء	نواحِ الور	ایک لڑائی میں قتل ہوئے تھے
چچا کی وفات	۱۸۰۶ء	آگرہ	
شادی	۱۸۱۰ء	دہلی	
عبدالصمد ہرمزد کی شاگردی	۱۸۱۰-۱۸۱۱ء	آگرہ	
دہلی میں مستقل سکونت	۱۸۱۶-۱۷ء	دہلی	
کلکتہ کا سفر برائے پنشن	۱۸۲۶ء	دہلی سے	حسب تحقیق مالک رام ماہ دسمبر
" " "	۱۸۲۷ء	"	" غلام رسول مہر
لکھنؤ میں قیام	۱۸۲۷ء	لکھنؤ	آغاز سال میں یا آخر ۱۸۲۶ء میں
بنارس میں قیام	۱۸۲۷ء	بنارس	
کلکتہ کب پہنچے	۱۸۲۸ء	کلکتہ	
قتیلؔ کے حامیوں سے معرکہ	۱۸۲۸ء	کلکتہ	
انگریزی دربار سے اعزاز	۱۸۲۸ء	"	
سفر کلکتہ سے دہلی واپسی	۱۸۲۹ء	دہلی	۲۹ ماہ نومبر میں دہلی پہنچے

واقعات	سن	مقام	کیفیت
قرض کی ڈگریاں	۱۸۳۵ء	دہلی	
گورنر جنرل کو پنشن کیلئے درخواست دی	۱۸۳۶ء	"	
قمار بازی کی عادت پر پہلی بار تنبیہہ	۱۸۴۱ء	"	
اُردو دیوان غالب کی پہلی اشاعت	۱۸۴۱ء	"	مطبع سید الاخبار
ولایت سے پنشن کی اپیل کا جواب	۱۸۴۲ء		
ملکہ وکٹوریہ سے اپیل	۱۸۴۳ء		
انگریزی دربار سے خلعت ملا	۱۸۴۲ء		
دلی کالج میں استادی کی پیشکش	۱۸۴۲ء		
پنشن کے مقدمہ کی ناکامی	۱۸۴۴ء		
فارسی کلیات کی پہلی اشاعت	۱۸۴۵ء	دہلی	مطبع دار السلام دہلی
قمار بازی کے الزام میں گرفتاری اور قید کی سزا	۱۸۴۷ء	دہلی	۶ ماہ کی سزا ہوئی تھی
قید سے رہائی	۱۸۴۷ء	دہلی	۳ ماہ بعد رہا کر دیئے گئے
تاریخ تیموری لکھنے کے لئے تقرر بہادر شاہ ظفر کی طرف سے	۱۸۵۰ء	دہلی	
بادشاہ کی طرف سے خطابات	۱۸۵۰ء	دہلی	
عارف کی وفات	۱۸۵۲ء		

واقعات	سن	مقام	کیفیت
بادشاہ ظفر کے اُستاد مقرر ہوئے	۱۸۵۴ء	دہلی	
مہر نیمروز (تاریخ تیموری حصہ اوّل) مکمل کی۔	۱۸۵۴-۵۵ء	دہلی	
واجد علی بادشاہ اودھ سے وظیفہ مِلا۔	۱۸۵۴ء	دہلی	۱۸۵۶ء تک دو سال جاری رہا
مکمل اُردو دیوان کی ترتیب برائے نواب رام پور	۱۸۵۵ء		
پنشن سے محرومی	۱۸۵۷-۶۰ء		مئی ۱۸۵۷ء سے اپریل ۱۸۵۹ء تک
نواب رام پور یوسف علی خاں کے شاعری میں اُستاد مقرر ہوئے	۱۸۵۷ء		
چھوٹے بھائی مرزا یوسف کی وفات	۱۸۵۷ء		
دستنبو کی پہلی اشاعت	۱۸۵۸ء		
میرٹھ کا سفر	۱۸۵۹ء		جنوری
رام پور کا سفر اوّل	۱۸۶۰ء		ماہ جنوری
سر سیّد سے صفائی	۱۸۶۰ء	مرادآباد	
پنشن کا اجرای	۱۸۶۰ء		

واقعات	سن	مقام	کیفیت
امراض کا غلبہ	۱۸۶۰ء		
قاطع برہان کی پہلی اشاعت	۱۸۶۲ء		
دربار و خلعت کی بحالی	۱۸۶۳ء		
مثنوی ابر گہربار کی پہلی اشاعت	۱۸۶۳ء		
کلیات نظم غالب کی دوسری اشاعت بعد اضافہ	۱۸۶۳ء		
قادر نامہ کی اشاعت	۱۸۶۴ء		
نامہ غالب اُردو اشاعت	۱۸۶۵ء		
رام پور کا دوسرا سفر	۱۸۶۵ء		اکتوبر
درفش کاویانی کی اشاعت	۱۸۶۵ء		
نکات و رقعات غالب " "	۱۸۶۷ء		
سبد چین کی اشاعت	۱۸۶۷ء		
باغِ دودر کی ترتیب و کتابت	۱۸۶۸ء	دہلی	غالب کے سامنے چھپ نہ سکی۔
اُردوئے معلیٰ کی پہلی اشاعت	۱۸۶۹ء		
وفات	۱۸۶۹ء	دہلی	۱۵ ماہ فروری

علمی تصانیف